بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

بانیٔ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری

ISBN 978-969-9266-04-1

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی
جلد: 32 شمارہ: 09
ستمبر ۲۰۱۲ء / شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

حُسنِ ترتیب (شمارہ ستمبر ۲۰۱۲ء)

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے
بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+
ای میل: imamahmadraza@gmail.com، ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

اپنی بات

مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا فیصلہ اور رابطۂ عالمِ اسلامی کی قرارداد

پروفیسر دلاور خاں

زندہ قومیں اپنے قومی و مذہبی تہوار بڑے جوش و خراش سے منائی ہیں۔ان تہوار کے معاشرتی وحدت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں یہ عمرانیات کا خاص موضوع ہے۔ اس سے قطع نظر عید الفطر سے قبل مسلمان رمضان میں روزہ رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے اور فطرہ ادا کرتے ہیں، افطاری اور شب بیداری کا اہتمام کرتے ہیں یوں عید الفطر پوری امت کی عبادت و ریاضت کی تکمیل کا انعام ہے۔

اس انعام میں وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور نماز عید ادا کرتے ہیں اور مسلم معاشرے کی وحدت کا تصور پیش کرتے ہیں:

لیکن افسوس کہ مسلمان جس حالت سے گذر رہے ہیں وہاں خوشی منانے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے پورے سال کرب میں مبتلا قوم کو عید کے حوالے سے چند خوشی کے لمحات میسر آتے تھے لیکن اس میں حسبِ سابق روایت ایک مخصوص گروہ نے اس سال بھی ایک دِن پہلے ہی چاند دیکھنے کا اعلان کر دیا اور یہ روایت نئی نہیں، بلکہ کئی سال پرانی ہے، جس سے پاکستانی عوام بے زار ہوچکی ہے۔ نہ جانے انہیں پاکستان کے عوام کے ساتھ عید منانا کیوں پسند نہیں؟ پہلی تو بات یہ تھی ان چند مٹھی بھر عناصر کی طرف توجہ ہی نہیں دینی چاہیے بھلا ہو میڈیا کا، اس نے چند افراد کی طبیعت اور خواہش کو اتنا اچھالا کہ پوری دنیا میں یہ تاثر پھیل گیا ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں نے دو عید منائیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن کے فیصلے کے مطابق پورے پاکستان میں تمام مکاتب فکر نے ایک ہی دِن عید منائی۔ ایک اجتماعی عید کے خلاف معدودے چند نا قابلِ اعتبار لوگوں کو میڈ میں اس طرح دکھایا گیا اور بریکنگ نیوز جاری کی گئی کہ پوپل زئی نے اعلان کیا ہے کہ چاند نظر آگیا ہے۔ میڈیا کے ساتھ تیسرا گروہ صوبائی حکومت کا تھا جس نے بھی اپنا پاکستان کی اجتماعی خوشی میں انتشار پھیلانے کے لیے اپنا حصہ ڈالا، لیکن تینوں عناصر کی کوشش کے باوجود اہلِ پاکستان نے ایک اجتماعی عید مناکر ان کے عزائم کو خاک میں ملادیا۔

مرکزی رویتِ ہلال کا اپنا ایک نیٹ ورک ہے جو پورے پاکستان میں ضلع، ڈویژن، صوبہ اور مرکزی سطح پر قائم ہے، جس میں علمائے کرام، سائنسدان ماہرین فلکیات اور موسمیات شامل ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے تمام مستند ذرائع استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ دنیا میں کہیں پر عید کے چاند پر مرکزی حکومت کے فیصلے کو چیلنج نہیں کیا جاتا۔ تمام مرکزی حکومت کے فیصلے کو قبول کرتے ہیں، کیوں کہ عوام جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے کوئی غلط فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ رہ دیکھ رہا ہے، جس کے عذاب سے وہ نہیں بچ سکتے۔ اسی فلسفے کے تحت وہ ہر حال میں قومی اجتماعیت اور وحدت کو برقرار رکھتے ہیں جو فرض عین ہے۔

جمعیت علمائے اسلام کراچی کے رہنما قاری عثمان نے اپنی جماعت اور اپنے مکتبِ فکر کے جید علما کے برخلاف یہ بیان دیا:

"ایک عرصے سے مرکزی رویت ہلال کمیٹی خیبر پختون خواہ کی شہادتوں کو قبول کرنا گوارہ نہیں کرتی، لہٰذا مرکزی سمیت تمام کمیٹیاں توڑ کر نامور اور جید علما پر مشتمل مرکزی رویت ہلال کمیٹی قائم کی جائے۔"

قاری صاحب یہ ایک اٹل حقیقت ہے مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن صاحب ایک جید اور نامور عالم دین ہیں۔ کیا جو علما

آپ کے مکتب فکر سے متعلق اس کمیٹی میں شامل ہیں، اگر جید نہیں ہیں تو پوری قوم ان کے اخراج کا مطالبہ آپ کے ساتھ کرتی۔ آپ نے جید عالم کی ایک تعریف اختراع کی ہے جو پوپلزئی کے فتوے کو نہ مانے وہ جید علما نہیں۔ ایسے علما کو رویت ہلال میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر قاری صاحب کی اس منطق کو مان لیا جائے تو ان کے مکاتب فکر کے جن جید علما نے مفتی منیب الرحمٰن کے فیصلے کے مطابق نمازِ عید ادا کی وہ جید علما کی فہرست سے نکل کر جہلا کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے کیا کوئی ایسے شخص کی بات ماننے کو تیار ہے؟ یقیناً نہیں۔ ان کے اپنے مکتبِ فکر کے علما نے قاری عثمان کے موقف کو جوتی کی نوک پر رکھا۔

علما اور اہلِ پاکستان نے پوپلزئی اور مفتی منیب الرحمٰن کے فیصلے کو سنا۔ 99.9 فی صد افراد نے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے مطابق عید منائی۔ جب کہ مشہور قاعدہ ہے کہ "الشاذ کالمعدوم" ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پوپلزئی کی کمیٹی پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا جاتا، جس کے فیصلے کو تمام مکاتب فکر کے جید علما اور عوام نے مسترد کر دیا۔ اس کے خلاف میڈیا مذمتی مہم چلاتا اور حکومت سے مطالبہ کیا جاتا کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلے کو نافذ کر کے اپنی رٹ بحال رکھے۔ جبکہ یہاں معاملہ یہ ہوا کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔

پورے گیارہ ماہ یہ چند شر پسند عناصر مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلے کو مانتے ہیں، یہاں تک عیدالاضحیٰ بھی مفتی اعظم پاکستان کے اعلان کے مطابق ادا کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ صرف رمضان اور عید کے دِنوں میں ان کی عصبیت کیوں جاگ جاتی ہے۔

روزنامہ جنگ کے کالم نگار سلیم صافی لکھتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ رویت ہلال کا قضیہ اصولوں کا نہیں، بلکہ ذاتی دکان داری کا یا پھر بریلوی اور دیوبندی تناؤ کا قضیہ ہے۔"

جناب من! یہ قضیہ بریلوی اور دیوبندی کا ہے۔ ہی نہیں کیوں کہ دیوبندیوں کے تمام جید علما اور عوام نے مفتی منیب الرحمٰن کے فیصلے کے مطابق نماز عید ادا کی اور پوپلزئی کے غلط فیصلے کو مسترد کر دیا۔ ہاں یہ معاملہ پوپلزئی کی ذاتی دکان داری کا ضرور ہے جس کی طرف آپ نے برمحل اشارہ کیا ہے۔

سلیم صافی اس مسئلے کے حل کے لیے دو تجاویز بیان کرتے ہیں:

(۱) "عید اور رمضان کے فیصلے کو اس طرح سعودی عرب سے منسلک کر دیا جائے جس طرح افغانستان، عالم عرب اور پورے مغربی دنیا کے مسلمانوں نے کیا ہے۔"

(۲) "ماہرین فلکیات کی ایک کمیٹی بنا دی جائے اور اس رپورٹ اور فیصلے کی روشنی میں حکومت ایک ہینڈ آؤٹ کے ذریعے رمضان کے آغاز اور اختتام کا اعلان کرے" اس کے ساتھ ساتھ یہ شکوہ بھی کرتے ہیں۔ "خیبر پختون خواہ حکومت کا فیصلہ اور پشاور کے علما کی گواہی کو اس بنیاد پر مسترد کر دیا گیا کہ ماہرین فلکیات کی رو سے اس روز چاند کی رویت کا امکان نہیں تھا۔" یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شمالی وزیرستان میں چاند نظر آگیا تھا تو صوبہ سرحد کی حکومت اور پوپلزئی اور ان کے علما نے شمالی وزیرستان کی گواہی کیوں نہیں مانی کہ اس دن چاند دیکھنے کے امکانات محکمہ فلکیات کے مطابق قطعاً نہیں تھے۔ اس لیے پشاور کے علما نے اس گواہی کو قبول نہیں کیا جبکہ شمالی وزیرستان کے لوگوں کا اصرار تھا۔ سلیم صافی کی مذکورہ تجاویز اور شکوے کا جائزہ رویت ہلال پر رابطہ عالم اسلامی کی عالمی کانفرنس کی قرارداد کے تناظر میں لیتے ہیں جو ۱۱ سے ۱۳ فروری ۲۰۱۲ء تک مکہ مکرمہ میں منعقد ہوئی جس میں دنیا بھر کے جید علما اور ماہرین نے اپنے مقالے پڑھے اور تجاویز دیں تاکہ رویت ہلال کا کوئی شرعی حل تلاش کیا جائے۔

اگرچہ اس کانفرنس میں رویت ہلال سے متعلق بہت سے پہلوؤں پر بحث کی گئی مگر دو مسائل زیادہ اہم تھے:

(۱) فلکیات کے حساب سے چاند کے ثبوت میں کس قدر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

اس مسئلے کے بارے میں تین موقف سامنے آئے:

پہلا موقف سعودی عرب کے مفتی عام شیخ عبدالعزیز بن صالح نے کانفرنس کے آغاز میں یہ پیش کیا کہ شرعی رویت ہلال کے

لیے حساب کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ تمام انحصار آنکھ سے دیکھنے کی شہادت پر ہے لہٰذا اگر حساب کی رو سے چاند نظر آنا ممکن نہ ہو تب اگر چاند دیکھنے کی شہادتیں آجائیں تو ان کی بنیاد پر چاند کا فیصلہ کیا جانا چاہیے۔

دوسرا موقف یہ تھا کہ فلکی حساب میں شک کی کوئی گنجائش نہیں اگر حساب کی رو سے چاند کا نظر آنا ممکن نہ ہو تو چاند کی نفی کا اعلان کر دینا چاہیے، خواہ کسی نے چاند دیکھنے کی شہادت پیش کی ہو۔ یہ موقف شرکائے کانفرنس میں چند کا تھا۔

تیسرا موقف یہ تھا کہ اگرچہ چاند کی رؤیت کا ثبوت تو صرف حساب کے ذریعے نہیں ہو سکتا، لیکن اگر کسی دن چاند کا نظر آنا حساب کی رو سے ممکن نہ ہو، مثلاً چاند سورج سے پہلے غروب ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں اگر کوئی شخص چاند دیکھنے کی شہادت دے تو وہ شہادت معتبر نہیں سمجھنی چاہیے۔

دیوبندی عالم دین مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں: حاضرین کی اکثریت اس تیسرے موقف کی قائل تھی، میں نے اپنے مقالے میں بھی دلائل کے ساتھ اسی موقف کو ثابت کیا تھا چونکہ یہ موقف سعودی کے مفتی عام کے موقف کے خلاف تھا اور سعودی عرب میں اس کے خلاف ہو تا رہا ہے؛ اس لیے اس موضوع پر بہت مفصل بحث ہوئی۔ اس مؤقف کے قائلین کا کہنا یہ تھا کہ اس نقطۂ نظر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رؤیت کی بجائے حسابات کو ثبوت ہلال کا بنایا گیا ہے بلکہ اس کا حاصل شہادت کی چھان بین ہے۔ چاند دیکھنے کی شہادت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب اس پر ہر لحاظ سے بھروسا کیا جا سکتا ہو، اسی سے اگر کوئی شخص کسی غلط سمت چاند دیکھنے کی شہادت دے تو اسے معتبر نہیں مانا جاتا، اسی طرح اگر حساب کے ذریعے یہ بات ثابت ہو جائے کہ چاند سورج سے پہلے غروب ہو گیا تھا تو ایسی شہادت متہم ہونے کی بنا پر قابلِ قبول نہیں ہے۔''

(۲) دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ایک جگہ کی رؤیت کو کسی دوسرے جگہ کس حد تک معتبر مانا جا سکتا ہے؟

اس مسئلے میں بھی تین موقف سامنے آئے:

پہلا موقف یہ تھا کہ شہر میں اسی کی رؤیت کا اعتبار ہونا چاہیے، کسی دوسرے شہر کی رویت وہاں معتبر نہیں ماننا چاہیے۔ یہ موقف مجلس القضاء الاعلیٰ کے صدر اور امامِ حرم صالح بن عبد اللہ بن حمید نے پیش کیا، البتہ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مسئلہ چونکہ مجتہد فیہ ہے اس لیے اگر سیاست شرعیہ کے تحت کوئی حاکم ایک ملک کے تمام شہروں میں رؤیت کو نافذ کر دے تو اس کا حکم معتبر ہو گا۔

دوسرا موقف یہ تھا کہ اختلاف مطالع کا بالکل اعتبار نہیں کرنا چاہیے بلکہ دنیا بھر میں کہیں بھی چاند نظر آئے تو وہ دنیا کے ہر خطے کے لیے معتبر ہونا چاہیے۔

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ اس موقف کے قائلین اس حد تک گئے کہ مکہ مکرمہ کو پورے عالم اسلام کا مرکز قرار دے کر وہاں کی رؤیت کو پوری دنیا کے لیے معتبر ماننا چاہیے لیکن اس پر میں (تقی عثمانی) نے یہ عملی اشکال پیش کیا کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جو ممالک مکہ مکرمہ سے مشرق میں ہیں وہ رمضان یا عید کے فیصلے کا اس وقت تک انتظار کریں جب تک مکہ مکرمہ میں رؤیت یا عدمِ رؤیت کا اعلان نہ ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لوگ رات گئے تک رمضان یا عید کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے اس اشکال کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ تیسرا موقف کہ اگر مشرق میں کہیں بھی چاند نظر آجائے اور اس کا ثبوت مغرب پر کسی ملک پر ہو جائے تو مغرب کے ملک کو اس پر عمل کر لینا چاہیے۔ (ماہنامہ تدریس القرآن، کراچی مئی ۲۰۱۲ء ص۱۷۔۱۸)

رابطۂ عالمِ اسلامی کی عالمی کانفرنس کی قرار داد کے اہم نکات ملاحظہ ہوں:

(۱) قمری مہینے کے آغاز اور اختتام کے ثبوت کے لیے اصل (معیار) چاند کو دیکھنا ہے چاہے وہ نری آنکھ سے ہو یا رصد گاہوں اور فلکی آلات کے ذریعے ہو اور اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس دِن مکمل کیے جائیں۔

(۲) سال کے ہر مہینے میں چاند کی جستجو واجب علی الکفایہ ہے۔

(۳) یہ ضروری ہے کہ گواہی دینے والے شخص میں گواہی کو قبول کرنے کی معتبر شرائط پائی جائیں اور اس کے موانع اس میں نہ

ہوں۔ نیز نگاہ کی تیزی کے بارے میں اطمینان کیا جائے کہ چاند دیکھنے کے وقت رؤیت کی کیفیت کیا تھی اور اس جیسی باتوں کا اطمینان کیا جائے جس سے اس کی شہادت کے بارے میں شک کی گنجائش نہ رہے۔

(۴) چاند دیکھنے کی گواہی کو قبول کرنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ چاند کا نظر آنا علم ہیئت کے مسلّم اور قطعی حقائق جو معتبر فلکی اداروں سے صادر ہوتے ہیں ان کے مطابق ناممکن نہ ہو۔

(۵) ایک ملک کی مسلم اقلیت کے لیے اس ملک کے بعض علاقوں میں چاند دیکھنا باقی علاقوں کے مسلمانوں کے لیے کافی ہوگا۔ تاکہ ان کا روزہ اور عید ایک ہوں۔

(۶) جن ممالک میں مسلم اقلیتیں مقیم ہیں اور انہیں چاند نظر آنا کسی وجہ سے ممکن نہیں تو وہ قریب مسلمان ملک کی رؤیت پر عمل کریں۔

(۷) ماہرین ہیئت اور فلکی اداروں کی ذمے داری چاند کی ولادت، اس کے مقام اور کرہ ارضیہ میں کسی بھی جگہ رؤیت کے حالات کے سلسلے میں دقیق حساب اور دیگر معلومات فراہم کرنا جو کہ ان خاص شرعی اداروں کے لیے صحیح اور دقیق فیصلہ صادر کرنے میں معین ثابت ہوں۔

(۸) لوگوں کے مصالح اور معاملات (میں آسانی) کی خاطر شریعت جدید علوم جیسے ترقی یافتہ فلکی حساب اور فلکی رصد سے استفادہ کو منع نہیں کرتی کیوں کہ اسلام اور سائنس کے حقائق میں کوئی معارض نہیں۔

(۹) جب کسی مہینے کا آغاز کسی شرعی ادارے (مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی) کے ذریعے ثابت ہو جائے اور اس پر مسلمان ملک کے سربراہ نے اعتماد کیا ہو تو اس کے بارے میں بحث ومباحثہ میں پڑنا اور شک وشبہات پیدا کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے جس میں حاکم کے فیصلے سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ (ماہنامہ تدریس القرآن، مئی ۲۰۱۲ء، ص۲۳ تا ۲۴)

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات درست ہے کہ (سعودی عرب میں) شہادتوں کو ایسے مواقع پر بھی تسلیم کرلیا گیا ہے جب حسابی طور پر رؤیت ممکن نہیں۔۔۔ لیکن مؤتمر کے مجموعی رخ سے یہ اندازہ ہوتا ہے شاید اب سعودی عرب کے لیے بھی اپنے سابق موقف پر قائم رہنا آسان نہیں۔'' (ایضاً، ص۲۷)

سلیم صافی صاحب آپ نے مفتی تقی عثمانی کے بیان اور رابطۂ عالم اسلامی کی قرار داد ملاحظہ فرمائیں جس میں اس خواہشِ شریعت پر خطِ تنسیخ پھیر دیا کہ دنیا کے کسی ملک خاص طور پر سعودی عرب کے مطابق عید منائی جائے، لیکن کیا کیجیے اس قسم کی طبیعت کے حامل افراد کو بھی چاند اسی روز نظر آئے گا جس دِن سعودی عرب میں عید ہوگی مسئلہ چاند کی شہادتوں کا نہیں، بلکہ اس خواہش کا ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ عید منائی جائے۔ آج راقم پیش گوئی کرتا ہے پوپلزئی کو عید کا چاند اسی روز نظر آئے گا جس دِن سعودی عرب میں عید ہوگی۔ اس لیے یہاں مسئلہ رؤیت ہلال کی شہادت کا نہیں بلکہ طبیعت کا ہے۔ اس طبیعت کے سامنے پورے ایشیائی ممالک اور محکمۂ فلکیات و موسمیات کا موقف کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ان حقائق کی روشنی میں ایسے لوگوں کو اپنے رویوں میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے پاکستانی بھائیوں کی اجتمائی عید میں شریک ہو کر طبیعت کی بجائے شریعت پر عمل پیرا ہو کر وحدتِ پاکستان کو قائم رکھنے کا ثبوت دیں۔

سلیم صافی صاحب کیا یہ اصولی موقف نہیں ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ پاکستان کی عید کو منسلک نہیں کیا جاسکتا۔ آپ جیسے ذہین صحافی سے علاقائی عصبیت کو فروغ دینے کی امید نہیں تھی۔ اپنی قوم سے محبت کرنا فطری تقاضا ہے، لیکن غلط موقف پر اپنی قوم کی حمایت کرنا ہی عصبیت کو فروغ دینے کے مترادف ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں امید تھی کہ آپ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے موقف کو اصولی موقف قرار دیتے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے یہ قرار داد مطالعہ نہیں کی، اسی لیے آپ نے ایک غیر اصولی تجویز پیش کردی کہ عید اور رمضان کے فیصلے کو اس طرح سعودی عرب کے ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ امید ہے آپ اپنی اس تجویز پر

خود نظر ثانی فرمائیں گے۔

اسی طرح یہ ایک اصولی موقف ہے۔ دنیا کے دو سو مسلم اور غیر مسلم ممالک اپنے مرکزی ادارے کے فیصلے کے مطابق عید مناتے ہیں۔ وہاں کبھی بھی دو عیدیں نہیں منائی جاتیں۔ اس موقف کو پیش نظر رکھتے ہوئے شکوے شکایت کرنے کی بجائے جرأت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا کہ تمام دنیا کے ممالک میں ایک روز عید منائی جاتی ہے۔ اس لیے صوبہ سرحد کے چند علما کو بھی مرکزی حکومت کے ساتھ اصولی طور پر عید منانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں کو ایک مثبت پیغام دینا چاہیے تھا۔

موصوف کی دوسری تجویز ماہرینِ فلکیات کی ایک کمیٹی بنادی جائے اور اس رپورٹ اور فیصلے کی روشنی میں حکومت ایک ہینڈ آؤٹ کے ذریعے رمضان کے آغاز اور اختتام کا اعلان کرے۔

ایک طرف آپ کہہ رہیں کہ یہ ماہرینِ فلکیات کی ایک کمیٹی بنادی جائے اور ان کے فیصلے کی روشنی میں رمضان کا آغاز اور اختتام کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے جنوبی ایشیا کے تمام ماہرین فلکیات نے متفقہ طور پر اعلان کر دیا تھا کہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں اگر چاند نظر آئے گا تو صرف اتوار کے روز نظر آئے گا؛ کیوں کہ اس روز چاند کی عمر ۳۰ گھنٹے ہوگی اس سے پہلے چاند نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پورے جنوبی ایشیا میں چاند نہ جمعے کو نظر آسکا اور نہ ہی ہفتے کو بلکہ اتوار ہی کو دکھائی دیا۔ یوں پورے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا عید کا تہوار ایک روز منایا گیا۔

ماہرین فلکیات کے مطابق چاند نظر نہیں آسکتا تو آپ کو یہ شکوہ کیوں ہے کہ پشاور کے علما کی گواہی کو اس بنیاد پر مسترد کر دیا گیا کہ ماہرین فلکیات کی رو سے اس روز چاند رویت کا امکان نہیں تھا۔

کیا یہ کھلا فکری تضاد نہیں کہ ایک طرف آپ فلکیات کے ماہرین کی رپورٹ کی روشنی میں رمضان اور عید کے آغاز کے خواہش مند ہیں تو دوسری طرف علما کی گواہی کو رد کر دیا جائے تو آپ ناراض ہو رہے ہیں۔

صافی صاحب کی مذکورہ تجویز کا اس قرارداد کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں:

اسی میں مطالع کا اختلاف کا تیسرا موقف جسے مفتی تقی عثمانی کی بھی تائید حاصل ہے اور اس قرارداد کا نمبر ۴ ملاحظہ ہو کہ اگر چاند دیکھنے کی گواہی کو قبول کرنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ چاند کا نظر آنا علم ہیئت کے مسلم اور قطعی حقائق جو معتبر فلکی اداروں سے صادر ہوتے ہیں ان کے مطابق ناممکن نہ ہو۔

اس قرارداد میں جو اصولی موقف اختیار کیا گیا ہے جسے سعودی علما نے بھی مانا ہے اگر اس موقف کے خلاف کوئی گواہی دے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس قرارداد کے خلاف خیبر پختونخواہ کی کیا تخصیص ہے بلکہ پورے پاکستان میں اس موقف کے خلاف اگر کوئی گواہی ہو تو اس قرارداد کی روشنی میں اسے قبول نہیں کیا جاسکتا اور یہی اصولی بات ہے جس میں کسی علاقائی تعصب اور مذہبی منافرت کی کوئی گنجائش نہیں۔ عید کے چاند کے حوالے سے مفتی تقی عثمانی اور رابطۂ عالم اسلامی کی قراداد، جنوبی ایشیا کے علما اور عوام مفتی منیب الرحمٰن کے اصولی فیصلے کی تائید کرتی دکھائی دے رہی ہے۔ اس اصولی موقف پر قائم رہنے پر مفتی منیب الرحمٰن کو صدارتی تمغۂ حسنِ کارکردگی سے نوازا جانا چاہیے، جس سے صدارتی ایوارڈ کی شان بھی دوبالا ہو جائے گی۔

رؤیت ہلال کے مسلے کا آسان حل اس کانفرنس کی قرارداد نمبر ۹ "جب کسی مہینے کا آغاز کسی شرعی ادارے (مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی) کے ذریعہ ثابت ہو جائے اس پر مسلمان ملک کے سربراہ نے اعتماد کیا ہو تو اس کے بارے میں بحث و مباحثہ میں پڑنا اور شک و شبہات پیدا کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے جس میں حاکم کے فیصلے سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے" میں ہی ہے۔

* * * * *

نورِ چشم رحمت اللعالمین ﷺ

سیّد محمد ریاست علی قادری بریلوی (بانی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس ﷺ کی سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی ہیں۔ حضور ﷺ اپنی تمام اولادوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسولِ خدا ﷺ کی بیٹی، حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کی زوجہ اور سردارانِ جنت حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ ہونے کی وجہ سے تمام عورتوں سے افضل و برتر ہیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی۔ آپ کا نام فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آتش دوزخ سے آزاد فرمادیا۔ آپ کو بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لیے کہا گیا کہ فضیلتِ دین اور حسب میں اپنے زمانے کی کل عورتوں سے وہ منقطع تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے دوستوں کو آتش دوزخ سے نجات ہے۔ حضور ﷺ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس درجہ محبت فرماتے کہ چشم فلک نے کسی اور کو ایسی محبت کرتے نہ دیکھا ہو گا۔ جس وقت حضور اقدس ﷺ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملتے اور جس وقت سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کے زیرِ سایہ اپنی زندگی کے دن گذارے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے غیر معمولی محبت تھی۔ حضور ﷺ نے اپنی کسی اولاد کو اتنا نہ چاہا جتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الکبریٰ کو۔ شکل و سیرت اور خلق و اخلاق میں حضور ﷺ کا نمونہ تھیں۔ یوں تو باپ کو بیٹی سے محبت ہوتی ہے، لیکن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کی غیر معمولی محبت کا سبب یہ بھی تھا کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمہ وقت آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسولِ خدا ﷺ کو بے حد پسند تھیں اور حضور ﷺ آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس درجہ محبت اور پیار کرنا اس وجہ سے بھی تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمر رسیدہ ہونے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی مستعدی سے حضور ﷺ کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس سے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش، اس سے خدا خوش۔'' ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے دل کا ٹکڑا ہے جو اُسے دکھ پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف دے گا؛ جو اُسے خوش رکھے گا وہ مجھے راحت پہنچائے گا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں: ''میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کے علاوہ کوئی ہستی ان سے افضل نہیں دیکھی۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد ایک طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں کی جدائی کے غم میں مبتلا ہو گئیں، تو دوسری طرف حضور اقدس ﷺ کی خدمت گذاری کی ساری ذمّے داری حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر آن پڑی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں کے انتقال کے وقت ایک کم سِن بچی تھیں۔ انہیں ماں کی جدائی شاق تھی۔ وہ ہر وقت پژمردہ نظر آتی تھیں۔ مستقل غم نے اُن کی صحت پر اور زیادہ اثر ڈالا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دل حضور ﷺ کے لیے محبت کا مرکز ہو گیا تھا۔ باپ کی حیثیت سے تو وہ آپ ﷺ سے غیر معمولی محبت کرتی ہی تھیں، لیکن ماں کی محبت بھی سمٹ کر باپ کی محبت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ کفار مکہ حضور ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے

تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آپ ﷺ پر جب آپ ﷺ مصروفِ عبادت تھے او جھڑی رکھ دی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب خبر ہوئی تو وہ بے اختیار دوڑی دوڑی آئیں اور او جھڑی کو آپ ﷺ پر سے ہٹایا اور کافروں کے لیے بد دعا کی۔ ایک موقع پر حضور ﷺ کے زخم دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ جب حضورِ اکرم ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو سب سے زیادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاہی متاثر تھیں۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ اتنی زیادہ غمگین رہنے لگیں کہ صرف چھ ماہ بعد ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے انسانیت کے نکتۂ کمال پر فائز تھیں۔ رسولِ خدا ﷺ کے اخلاق کا آئینہ تھیں؛ بے پناہ ذکاوت، ذہانت اور علم کی دولت سے مالا مال تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اس شادی کی خوشی سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کو ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہااور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں ہی رسالت ﷺ کی گود میں پروان چڑھے تھے۔ دونوں کو تربیت رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔ دونوں ہی سے آپ ﷺ بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کو جمع فرمایا اور خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا: "میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، جو اپنی نعمتوں کے باعث ہر تعریف و تحسین کا سزاوار ہے اور اپنی قدرتوں کے باعث عبادت و پرستش کے لائق ہے۔ اُس کی سلطانی ہر جگہ قائم ہے۔ زمین وآسمان پر اس کا حکم چلتا ہے پھر اپنے احکام کے لیے انہیں آپس میں الگ الگ کر دیا اور اپنے دین کے ذریعے انہیں سربلندی عطا فرمائی اور اپنے نبی ﷺ کے ذریعے انہیں عظمت و منزلت سے بہرہ ور کیا۔ بلاشبہ خدا نے شادی کو ایک لازمی چیز قرار دیا ہے۔"

رخصتی کے وقت حضور ﷺ نے بے پناہ دعاؤں کے بعد اپنی لختِ جگر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور اپنی بیٹی کو تسلی و تشفی دی اور فرمایا: "میری بچی میں نے اپنی امانت بنا کر تجھے ایسے شخص کو سونپا ہے جس کا ایمان زیادہ قوی ہے۔ اس کا علم دوسرے سب لوگوں سے زیادہ ہے اور وہ ہماری قوم میں اخلاق، علوے نفس کے اعتبار سے افضل ہے۔"

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ ہی کے تربیت یافتہ اور پرورش کردہ تھے، یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ خلق و اخلاق میں رسول اللہ کی پیروی نہ کرتے۔ کوئی شبہ نہیں! وہ اپنے گھر میں اپنی رفیقۂ حیات کا گھریلو کام میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب چکی پیستیں اور آٹا گوندھتیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر جا کر لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور پانی بھر کر لایا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی صابر اور اللہ والی خاتون تھیں۔ تمام زندگی مشقت اور کام کاج میں گذاری، لیکن زبان سے کبھی شکوہ نہ کیا۔ چکی پیستے پیستے آپ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے، لیکن اُف تک نہ کیا۔ آپ نے جنگِ احد میں مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی میں حصّہ لیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پانچ اولادیں ہوئیں: امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت محسن رضی اللہ عنہ، زینب الکبریٰ، امّ کلثوم۔ بعض مورخین نے حضرت محسن رضی اللہ عنہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور بعض آپ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے بے انتہا اور غیر معمولی محبت کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ یااللہ! جو حسین سے محبت کرے تو بھی اسے محبوب رکھ۔"

حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کہتے ہیں: میں نے دیکھا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ دوشِ مبارک پر سوار ہیں اور آپ ﷺ فرمارہے ہیں: "یااللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت محمد ﷺ اپنے والدِ ماجد کی رحلت کے چھ ماہ بعد اس فانی دنیا سے کوچ کر کے عالم جاودانی کو سدھاریں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے وہ مجھ سے ملیں گی اور ایسا ہی ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۸ (اٹھائیس) سال تھی۔ بقیع کے قبرستان میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفن کیا گیا۔

*****

کنزالایمان اور ڈاکٹر اوج کا مقالہ

دوسری قسط

پروفیسر دلاور خاں

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کراچی یونیورسٹی کے ڈین کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ نے پروفیسر ڈاکٹر اختر سعید صدیقی کی زیر نگرانی مقالہ "قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ" مکمل کر کے 2005ء میں پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالے میں مفکر اسلام امام سوادِ اعظم اہلِ سنّت احمد رضا خاں محدث حنفی قادری برکاتی کا شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" شامل ہے۔ مقالے کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اوج کنزالایمان کے فنی، علمی محاسن کی گیرائی اور گہرائی سے قلت علم کی وجہ سے نابلد رہے ہیں، جس سے اہل علم میں اس مقالے کی ثقاہت اور صاحب مقالہ کی علمی ساخت متاثر ہوئی۔ انصاف اور تحقیق کے تقاضوں کے تحت ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خاں زید مجدہ نے مذکورہ مقالے کا معروضی انداز سے مطالعہ کیا ہے اور مقالے میں پائے جانے والے اصولِ تحقیق سے انحراف اور غیر متوازن پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ کنزالایمان کے محاسن کسی مصلحت کی نظر ہوگئے تھے اس پر علمی اور فنی پہلوؤں سے گفتگو کی ہے، جسے قسط وار شائع کیا جارہا ہے تاکہ موصوف نے جو زیادتی کنزالایمان سے اپنے مقالے میں جہاں جہاں برتی ہے تحقیقی انداز میں اس کا ازالہ ہوسکے اور ان آٹھ تراجم پر کنزالایمان کی علمی وفنی برتری ثابت ہو۔ یہ کوئی مجادلہ اور مناظرہ نہیں بلکہ علمی بحث ہے، جس کا آغاز خود ڈاکٹر اوج نے اپنے مقالے کی اِشاعت سے کیا ہے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر محمد شکیل اوج اپنا موقف پیش کرنا چاہیں تو ہم معارفِ رضا میں انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ (صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری، مدیر اعلیٰ معارفِ رضا)

ڈاکٹر شکیل اوج کے تحقیقی مقالے میں آیات کے انتخاب کے معیار کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

نمبر شمار	سورۃ	آیات
۱	سورۃ الانشقاق	۱
۲	سورۃ البروج	۱
۳	سورۃ الفجر	۱
۴	سورۃ الاعلیٰ	۱
۵	سورۃ الشمس	۱
۶	سورۃ الیل	۱
۷	سورۃ التین	۱
۸	سورۃ البینۃ	۱
۹	سورۃ العادیات	۱
۱۰	سورۃ الضحیٰ	۱
۱۱	سورۃ الفیل	۱
۱۲	سورۃ الماعون	۱
۱۳	سورۃ لھب	۱
	۱۳ سورتیں	۱۳ آیات

مقالے کی ۱۳ سورتوں میں سے ایک ایک آیت (یعنی کُل ۱۳ آیات) کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جبکہ صرف سورۃ النبا میں سے ۱۷/ آیات منتخب کی گئیں، جو مقالے کی باقی ۴۴/ آیات کا ۳۸٪ حصہ بنتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی سورت میں سے ۳۸٪ آیات کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ تحقیقی اصول کا تقاضا تھا کہ محقق اپنی پسند اور ناپسند سے قطع نظر آیات کی تعداد کے انتخاب میں توازن برقرار رکھتے لیکن یہ توازن تحقیقی مقالے میں یہاں مفقود نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر اوج اپنے حوالہ جاتِ تحقیقی سے متعلق مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"شاہ عبدالقادر دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی کے تراجم اور غلام احمد پرویز کا مفہوم القرآن داخل مطالعہ و حوالہ رہے۔" (ص نمبر ۱۱)

محقق کے اس دعوے کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے مقالے کے حوالہ جات و حواشی کا مطالعہ کیا گیا تو حیرت انگیز انکشافات سامنے

آئے ملاحظہ ہوں:

(الف) مقالے کے کلیدی ابواب چہارم، پنجم اور ششم میں شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بطور حوالہ صرف ایک بار درج ہے۔

(ب) شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ بطور حوالہ ان تین ابواب میں صرف تین بار درج ہے۔

(ج) غلام احمد پرویز کا ''مفہوم القرآن'' اور ''لغات القرآن'' بطور حوالہ باب چہارم میں چار بار، باب پنجم میں سات بار اور باب ششم میں پانچ بار درج ہے۔

ڈاکٹر اوج نے ان ۱۶/ حوالہ جات سے اپنے مقالے کو مزین فرما کر غلام احمد پرویز کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور ساتھ ہی غلام احمد پرویز کے ''مفہوم القرآن'' کی حقیقت ملاحظہ ہو:

''پرویز کی سب کتابیں قرآن کی معنوی تحریفات سے بھری پڑی ہیں مگر ان کی تفسیر ''مفہوم القرآن'' تحریفات قرآنی کا سب سے بڑا مجموعہ ہے اور اس میں انہوں نے اول سے لے کر آخر تک قرآن مقدس کے معانی اور حقائق میں بے پناہ خود ساختہ تبدیلیاں اور باطل آمیزیاں کی ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ انہوں نے معنٰی اور مفہوم کے اعتبار سے قرآن مقدس کے مقابلے میں اپنا ایک نیا اور متوازی قرآن پیش کیا ہے۔'' (برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ، ص نمبر ۲۰۷)

ڈاکٹر اوج کے مطلوب اسالیب اور آیات کا انتخاب:

الف۔ استفہامیہ اسلوب:

نمبر شمار	سورۃ	آیات نمبر
۱	النبا	۲
۲	النبا	۱۷۔۶
۳	الضحیٰ	۶
۴	سورۃ الم نشرح	۱۔۴

ب۔ قسمیہ اسلوب:

نمبر شمار	سورۃ	آیات نمبر
۱	سورۃ التکویر	۱۸۔۱۵
۲	سورۃ الانشقاق	۱۶
۳	سورۃ البلد	۱۔۲
۴	سورۃ اللیل	۱۔۳
۵	سورۃ الشمس	۷۔۵
۶	سورۃ الضحیٰ	۱۔۳

ج۔ اسلوبِ مخاطب: (آپ)

نمبر شمار	سورۃ	آیات نمبر
۱	سورۃ الاعلیٰ	۶
۲	سورۃ الضحیٰ	۷
۳	سورۃ الم نشرح	۱۔۴
۴	سورۃ البلد	۲

مذکورہ حقائق کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ صرف ''سوال''، ''قسم'' اور ''آپ'' جیسے تین الفاظ سے ۹ سورتوں میں سے ۱۴ مقامات پر ان الفاظ کی گردان پر مترجمین کو ترجیح دی گئی ہے۔ تحقیقی اصول کا تقاضا تھا کہ ان تین الفاظ کا سہارا لینے کی بجائے ایسی آیات کا انتخاب کیا جاتا جس میں اس تکرار سے گریز ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید ڈاکٹر اوج کے قلم نے ہمت ہار دی۔ تکرار سے کام لیتے ہوئے مقالے میں مصنوعی ہوا بھرنے کی بھرپور کوشش کی گئی جس سے ایک طرف مقالے کی ثقاہت بری طرح متاثر ہوئی تو دوسری طرف اس کامیاب حکمتِ عملی کی بدولت ڈاکٹر اوج نے اپنے موضوعِ تحقیق کا تقریباً ٪۵۰ حصہ بڑی آسانی اور کم وقت میں مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی۔

مصادرِ تحقیق:

تحقیقی عمل میں مصادرِ تحقیق کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مقالے کی افادیت اور اس کی صحت کا انحصار مصادرِ تحقیق پر ہی ہے۔ موصوف اپنے مصادرِ مقالہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''اس مقالے میں لازمی مصادر تو منتخب اردو تراجم ہی ہیں۔'' (ص نمبر ۱۱)

تحقیق کی تھوڑی سی بھی شدبد رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ موضوعِ تحقیق اور مصادرِ تحقیق الگ الگ عنوانات ہیں جبکہ ڈاکٹر صاحب فرما رہے ہیں کہ مصادر تو منتخب تراجم ہی ہیں۔ اگر منتخب تراجم مصادر ہیں تو ہر باب کے آخر میں حوالہ جات و حواشی لکھے گئے ہیں وہ کیا ہیں؟ اسی طرح مقالے کے آخر میں کتابیات درج ہے کیا وہ مصادرِ تحقیق نہیں؟ یہاں ڈاکٹر صاحب سے تسامح ہو رہا ہے۔ وہ موضوعِ تحقیق اور مصادرِ تحقیق میں فرق نہیں کر پا رہے۔ ''منتخب

اردو تراجم" مصادر نہیں بلکہ موضوعِ تحقیق کا حصہ ہے۔ جبکہ حوالہ جات وکتابیات مصادرِ تحقیق ہیں۔

مقالے کے مصادر (کتابیات) ملاحظہ ہوں:

کتابیات

ابومنصور، القرآن، (اردوترجمہ)فضل ربی فاونڈیشن، بی۔۲۸، بلاک ۱۱، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۱۹۹۰ء، طبع سوم

اجملی، یعقوب، محمد، حکیم، تفسیر اجملی (جلد ششم)، طبع اول، ۱۹۹۵ء، اجملی ہاؤس، شاہ فیصل کالونی، کراچی

احمد، بدرالدین، سوانح اعلیٰ حضرت، مکتبہ نوریہ رضویہ، وکٹوریہ مارکیٹ، سکھر، ۱۹۸۷ء

احمد خان، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردوتراجم (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، ۱۹۸۷ء

اردودائرہ معارف الاسلامیہ، زیراہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور، جلد۲۰، ۱۹۸۴ء، طبع اول

ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ، ۳۲۔اے، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، طبع دوم "تاریخ دارالعلوم

دیوبند" ماہنامہ الرشید، ترجمان جامعہ رشیدیہ، ساہیوال، ۱۹۸۰ء، اشاعت خصوصی

اسراراحمد، ڈاکٹر، جماعت شیخ الہنداور تنظیم اسلامی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء، باراول

مسلمانوں پرقرآن مجید کے حقوق، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۲ء، بارششم

اصفہانی، الراغب، امام، مفردات الفاظ القرآن فی غریب القرآن، مکتبہ المرتضویہ، ایران، باردوم، سنہ ندارد

اصلاحی، امین احسن، تدبرقرآن، جلداول

تدبرقرآن، جلدہشتم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۳ء، طبع دوم

مبادی تدبرحدیث، فاران فاؤنڈیشن، فیروزپورروڈاچھرہ، لاہور، ۱۹۹۴ء

اعظمی، حسن رضا، ڈاکٹر، فقیہ اسلام، ادارہ تحقیقات امام احمدرضا، ۱۴۰۵ھ

الازہری، کرم شاہ، محمد، پیر، ضیاءالقرآن (جلدپنجم)ضیاءالقرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈلاہور، ۱۴۰۰ھ

الازہری، کرم شاہ، محمد، پیر، ضیاءالقرآن (جلددوم)ضیاءالقرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈلاہور، ۱۴۰۲ھ

المنجد، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۵ء

امرتسری، ثناءاللہ، مولانا، تفسیرثنائی (مکمل)دوجلدیں۔میرمحمدکتب خانہ، آرام باغ کراچی، سنہ اشاعت ندارد

انواررضا، شرکت حنفیہ لمیٹڈ، لاہور، ۱۳۹۷ھ

اوج، محمدشکیل، تفسیرماجدی پرتحقیقی نوٹ، شعبہ نشرواشاعت جامع مسجدنورمصطفیٰ، بسم اللہ ٹاؤن، شاہ فیصل کالونی، ۱۹۹۴ء

بہاری، ظفرالدین، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، جلداول، مکتبہ رضویہ، کراچی

پرویز، غلام احمد، مفہوم القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، سنہ اشاعت ندارد

پرویز، غلام احمد، لغات القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ لاہور، جلد اول، طبع سوم، ۱۹۹۵ء

ایضاً۔ جلد دوم، طبع چہارم، ۱۹۹۶ء

ایضاً۔ جلد سوم، طبع ۱۹۹۳ء

ایضاً۔ جلد چہارم، جولائی ۱۹۹۶ء

جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۲ء

جیلانی، غلام، سید، البشیر الکامل بحل شرح مائۃ عامل، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی، سنہ ندارد

حریری، غلام احمد، پروفیسر، تاریخ تفسیر ومفسرین، ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار، فیصل آباد، بار دوم، ۱۹۷۸ء

حیدر، رضی، خواجہ، محدث سورتی، پیلی بھیت ہاؤس، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۱ء، طبع اول

خادم، عبدالمجید، سیرت ثنائی، مکتبہ قدسیہ، اردو بازار لاہور، ۱۹۸۹ء

خالد مسعود، ماہنامہ تدبر، لاہور، جنوری ۱۹۹۸ء

خان، احمد رضا، مولانا، الاجازات المتینۃ العلماء بکۃ والمدنیہ، مکتبہ حامدیہ، لاہور، ۱۳۹۶ھ

فتاویٰ رضویہ، جلد اول، مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ کراچی، سنہ ندارد

فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ)، ناشر تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی، پاکستان، لیاقت آباد کراچی

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، المجد داحمد رضا اکیڈمی، کراچی، سنہ اشاعت ندارد

معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین (۱۳۳۸ھ) مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۹۸۰ء

خان، ایچ بی، ڈاکٹر، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

خان، حامد علی، مولانا، مدیر اعلیٰ، اردو جامع انسائیکلو پیڈیا (طبع اول ودوم) شیخ غلام علی اینڈ سنز، چوک انارکلی، لاہور، اشاعت اول، جلد اول ۱۹۸۷ء، جلد دوم، ۱۹۸۸ء

خرم بدر، سید مودودی کی سیاسی زندگی، صبا پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۸ء

دریابادی، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، (جلد اول ودوم) تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی، ڈھاکہ، ۱۹۵۲ء

دہلوی، رفیع الدین، شاہ، ترجمہ قرآن (مع مولانا اشرف علی تھانوی)، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور وکراچی، سنہ اشاعت ندارد

دہلوی، عبدالحق، شیخ، الاکمال فی اسماء الرجال، طبع اول، سنہ اشاعت ندارد

دہلوی، عبدالقادر، شاہ، موضح قرآن، مطبع نظامی واقع دہلی، مطبوع پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۳۳۶ھ

دین کلیم، محمد، قادری، تذکرہ مشائخ قادریہ، مکتبہ نبویہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۵ء/۱۳۹۵ھ
دیوبندی، محمود الحسن، قرآن مع اردو ترجمہ، شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس، مدینہ منورہ، ۱۹۸۹ء
رازی، فخر الدین، امام، التفسیر الکبیر، المجلد الحادی عشر، مکتب تحقیق دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء
رانجھا، محمد اکرم، مضمون ''جسٹس پیر محمد کرم شاہ'' اردو ڈائجسٹ، مئی ۱۹۹۸ء
رحمٰن علی، مولانا، تذکرہ علمائے ہند، مطبع نولکشور، لکھنو، ۱۳۳۲ھ
زیدی، نظر، ہمارے پیارے مولانا، المنار بک سنٹر، منصورہ، لاہور، ۱۹۸۲ء، باردوم
سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، قرآن نمبر، دوسرا ایڈیشن، جون ۱۹۸۴ء
سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۴ء
شامی، مجیب الرحمٰن، ہفت روزہ زندگی (لاہور) خصوصی اشاعت (۲۹ ستمبر تا ۱۵ اکتوبر)، ۱۹۸۹ء
صالحہ، عبدالحکیم شرف الدین، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی، ۱۹۸۱ء
طبری، ابن جریر، امام، جامع البیان عن آی القرآن، المجلد الخامس عشر، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء
عباسی، محمد عدیل، قاضی، تحریک خلافت، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، دوسرا ایڈیشن
عبدالقیوم، محمد، مفتی، تاریخ نجد وحجاز، رضا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۸ھ، طبع اول
عثانی، محمد نسیم، پروفیسر، ڈاکٹر، اردو میں تفسیری ادب، عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، (ایک تاریخی و تجزیاتی جائزہ) گلشن اقبال، کراچی، ۱۹۹۴ء، طبع اول
غلام، عبدالحق، محمد، اسلامک اسٹڈیز، کوارٹرلی جرنل، جلد ۳۷، ۱۹۹۸ء، اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
غلام مرتضیٰ، ملک، ڈاکٹر، انوار القرآن، ملک سنز، لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء، طبع اول
فاطمی، حنیف اختر، ڈاکٹر، ہولی قرآن، قرآن کمپنی لمیٹڈ، ۳۸۔ اردو بازار لاہور، سن ندارد
فراقی، تحسین، ڈاکٹر، عبدالماجد دریابادی، احوال وآثار، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء
فراہی، حمید الدین، امام، مجموعہ تفاسیر فراہی، ناشر مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۳ء
فرید الحق، شاہ، پروفیسر، ہولی قرآن، دار العلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ، آرام باغ کراچی، ۱۹۸۸ء
فیروز اللغات اردو جدید، فیروز سنز، چھٹی بار، ۱۹۷۶ء
قادری، شرف، محمد، عبدالحکیم، تذکرہ اکابر اہل سنت، جلد اول، مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، بار اول

قادری، مجید اللہ، کنزالایمان اور دیگر معروف قرآنی تراجم، ۱۹۹۰ء، جامعہ کراچی، مقالہ برائے پی ایچ ڈی
قادری، محمود احمد، مولانا، تذکرہ علمائے اہل سنت، سنی دارالاشاعت، علویہ رضویہ، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء
قدوائی، محمد ہاشم، ڈاکٹر، جدید ہندوستان کے سیاسی اور سماجی افکار، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، پہلا ایڈیشن
قریشی، فضل الٰہی، تذکرہ سید مودودی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، ۱۹۸۶ء
کمال، عبدالعزیز (مترجم انگریزی تفہیم القرآن)، دامیننگ آف دا قرآن، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ)
لاہور، ۱۹۹۳ء، طبع چہارم
کوکب، عبدالنبی، مقالات یوم رضا، حصہ سوم، مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۹۷۱ء
محمد سلیم، سید، پروفیسر، سید ابوالاعلیٰ مودودی، فاران نشریات، ۳۔ نشتر روڈ، مزنگ، لاہور، ۱۹۹۲ء
محمود، قاسم، سید، مدیر و ناشر، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، حسن علی آفندی روڈ، کراچی، جنوری
۱۹۸۴ء
مسعود احمد، ڈاکٹر، فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، ضیاء الدین پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن (جلد ششم)، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۶ء، طبع پنج دہم
میاں، محمد، سید، تحریک شیخ الہند (ریشمی خطوط سازش کیس)، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، ۱۹۸۸ء، بار سوم
نجفی، صفدر حسین، سید (مترجم اردو)، تفسیر نمونہ جلد ۲۶، اہل قلم کی ایک جماعت، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور،
اردو ترجمہ، مترجم، جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ، طبع اول
نعیمی، خان، احمد یار، مفتی، تفسیر نور العرفان، پیر بھائی کمپنی، لاہور، سنہ اشاعت ندارد
واسطی، ابوالفارق، انوار الایقان، سید اینڈ سنز، کراچی، ۱۹۸۷ء، بار سوم
ہاشمی، عبدالقدوس، تقویم تاریخی، قاموس تاریخی، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، مئی ۱۹۶۵ء، طبع اول
یادگاری مجلہ ۱۹۹۶ء، امام احمد رضا کانفرنس، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

مذکورہ بالا مصادر میں سے قرآن فہمی کے بنیادی مصادر و ماخذ (Primary Sources) تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

(الف) کتبِ حدیث:

مقام افسوس ہے کہ ڈاکٹر اوج نے اپنے مقالے کے مراجع و ماخذ تحقیق میں کسی ایک کتابِ حدیث کو بھی شامل نہیں کیا۔ دوسرے الفاظ میں قرآن فہمی کے لازمی ماخذ حدیثِ مبارکہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے براہ راست قرآن کے مطالعے کی کوشش کی گئی ہے۔

(ب) مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

دس مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام مقالے کے ص نمبر ۱۶ پر درج ہیں، لیکن کسی بھی صحابیِ رسول کے تفسیری اقوال کو مقالے کا ماخذ نہیں بنایا گیا، صرف حضرت عبداللہ ابن عباس کا ایک قول منقول ہے۔

(ج) مفسر تابعین رحمۃ اللہ علیہم:

مقالے کے ص نمبر ۱۸۔۱۷ پر مکہ کے ۵/ مدینہ کے ۳/ عراق کے ۷/ مفسر تابعین کے نام درج ہیں جبکہ کسی بھی مفسر تابعی کے تفسیری اقوال کو مذکورہ مقالے میں بطور مآخذ و مراجع شامل نہیں کیا گیا۔

(د) علوم القرآن:

قرآن فہمی کا ایک نہایت اہم موضوع علوم القرآن ہے۔ اس سے استفادہ کرنے کے لیے مقالے میں کوئی کتاب بطور حوالہ درج نہیں، سوائے الاتقان فی علوم القرآن کا صرف ایک حاشیہ شامل مقالہ ہے۔

(ہ) عربی تفاسیر:

مقالے میں عربی امہات کتب تفاسیر کو مآخذ و مراجع بنانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ پورے مقالے میں ص نمبر ۱۸۴/ پر تفسیر کبیر اور ص نمبر ۲۴۵/ پر تفسیر جامع البیان کا صرف ایک ایک حوالہ درج ہے۔

(و) عربی لغت:

عربی لغت کی ایک کتاب المفردات کا صرف ایک حوالہ منقول ہے۔

(ز) عربی ادب اور صرف و نحو:

عربی ادب اور صرف و نحو کی کوئی کتاب ماخذ و مرجع نہیں۔

اس مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اوج نے ایک مخصوص مکتبِ فکر کے زیرِ اثر قرآن کا براہِ راست مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ منہج فکری اور اعتقادی اعتبار سے خطرے سے خالی نہیں۔ اس پس منظر میں مقالے کے قاری ڈاکٹر اوج سے سوال کرتا ہے کہ اگر قرآن فہمی کے بنیادی مآخذ و مراجع (Primary Sources) سے استفادہ نہ کیا جائے تو ایسے مقالے کا تحقیقی دنیا میں کیا مقام ہے؟ دوسرا سوال اگر بنیادی ماخذ سے مقالے میں استفادہ نہیں کیا گیا تو ڈاکٹر اوج کے وہ کون کون سے بنیادی مصادرِ تحقیق ہیں جسے بنیاد بنا کر مقالے میں بطور دلیل پیش کیا گیا ہے؟ اس تناظر میں مقالے کا مطالعہ کیا جائے تو جو حقائق سامنے آتے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مقالے میں قرآن فہمی کے دو بنیادی مآخذ و مراجع (Primary Sources) ہیں:

(الف) غلام احمد پرویز کی نگارشات

(ب) مولانا امین احسن اصلاحی کی نگارشات۔

مذکورہ دونوں شخصیات کے ۹۰٪ تفسیری اقتباسات سے مقالہ مزین ہے ان اقتباسات میں بھی قرآن فہمی کے بنیادی مصادر و مآخذ کا دور دور تک کوئی نشان موجود نہیں۔ پرویز کی فکری جھلک ملاحظہ ہو:

''غلام احمد پرویز نے اسلامی مآخذِ اصلیہ سے انحراف کرتے ہوئے قرآن پاک کی من مانی اور بے سند تشریح و تفسیر کر کے اسلام اور شعائر اسلام کی دھجیاں اڑائی ہیں، جس کا اصل اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور تحریک پرویزیت کی بنیاد حدیث و سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت کے انکار پر رکھی گئی ہے۔'' (برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ، ص نمبر ۷۲۵)

جانب داری

ڈاکٹر اوج رقم طراز ہیں کہ ''واضح رہے اگر ہم اپنے موضوع کو اس طرح پابند نہ کرتے اور قرآن مجید کے مختلف پاروں سے من پسند آیات کا انتخاب کرتے تو شاید یہ تاثر ابھرتا کہ راقم نے اپنے کسی پسندیدہ ترجمہ نگار کے ترجموں کو نمایاں کرنے کی سعی کی ہے۔''(ص۹)

ڈاکٹر صاحب اپنے ان پر مغز ارشاداتِ عالیہ سے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کی تحقیق کا انداز جانب داری اور تنگ نظری سے پاک ہے۔ مقالے میں کہیں بھی اپنی پسند اور ناپسند کو اثر انداز ہونے نہیں دیا اگر واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ موصوف کے اقوال زریں سے واضح ہو رہا ہے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ یہ ایک عظیم مجاہدہ بھی ہے اور ایک محقق کی شان بھی کہ کسی بھی مترجم سے قلبی لگاؤ کے باوجود انہوں نے حق تحقیق ادا کرتے ہوئے اپنے پسندیدہ مترجم کو نمایاں کرنے کی بالکل کوشش نہیں کی بلکہ جو حقائق تھے انہیں بے لاگ اجاگر کیا ہے۔ ڈاکٹر اوج کے اس غیر جانب دار اسلوب کی

حقیقت معلوم کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس دعوے میں کتنے سچے ہیں۔

مقالے کے ۲۹ مقاماتِ تحقیق پر مترجمین کے تفسیری اقتباسات رقم کیے گیے ہیں: مثلاً

(الف) (۱) **مولانا امین احسن اصلاحی** کے ۲۶ اقتباسات مقالے کے ان صفحات کی زینت ہیں ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۹، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۸۷، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۵۰، ۲۵۵۔

(۲) مولانا مودودی کے گیارہ تفسیری اقتباسات جو صفحہ نمبر ۱۵۴، ۱۶۸، ۱۷۴، ۱۸۴، ۱۹۲، ۲۰۶، ۲۱۵، ۲۴۰، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۵۶ پر درج ہیں۔

(۳) مولانا عبد الماجد دریابادی کے پانچ تفسیری اقتباسات صفحہ نمبر ۱۶۳، ۱۸۴، ۲۳۹، ۲۴۶، ۲۵۲ پر درج ہیں۔

(۴) پیر محمد کرم شاہ الازہری کے تین اقتباسات صفحہ نمبر ۱۴۰، ۱۸۹، ۲۵۲ پر درج ہیں۔

(۵) مولانا ثناءاللہ امرتسری کا ایک اقتباس صفحہ نمبر ۲۴۵ پر درج ہے۔ مولانا احمد رضا خاں، مولانا محمود الحسن اور مولانا ابو منصور کے تفسیری اقتباسات کو پورے مقالے میں کہیں بھی درج کرنا گویا کہ ڈاکٹر اوج کی نازک طبیعت پر گراں تھا۔ ان زمینی حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اوج کا قلبی لگاؤ مولانا امین احسن اصلاحی کی طرف ہے اور ان کے اقتباسات مقالے کے بنیادی مآخذ و مصادر (Primary Sources) کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ یہ قلبی لگاؤ ڈاکٹر صاحب کا ذاتی معاملہ ہے جس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن یہاں تو محل نظر موصوف کی غیر جانب داری اور معروضیت کا دعویٰ ہے، جس کا وہ خود سینہ چاک کر رہے ہیں۔ اس فکری اور عملی تضاد پر قاری کی حیرت اور استعجاب کی حد ہو جاتی ہے۔ یہ جانب داری مقالے پر خوب اثر انداز ہوئی جس کے چند اور مظاہر ملاحظہ ہوں:

(ب) النبا کی آیت (۶ تا ۱۷) "ان (آٹھ) تراجم میں فقط اصلاحی کا ترجمہ ہے جو استفہامیہ اور انشائیہ اسلوب پر کیا گیا ہے جبکہ دیگر مترجمین کا ترجمہ خبریہ اسلوب پر ہے اور ان دونوں اسلوبوں میں جو فرق ہے وہ اہل علم پر خوب روشن ہے۔۔۔۔۔ بہر حال یہاں اصلاحی صاحب کا ترجمہ دیگر تراجم کے مقابلے میں زیادہ موثر اور دل نشین بلکہ قرآنی اسلوب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔" (ص ۱۴۷)

الضحیٰ کی آیت نمبر ۷: "اصلاحی اور ابو منصور کے تراجم استفہامیہ اسلوب پر مشتمل ہیں جبکہ دیگر بیانیہ اسلوب پر، واضح ہو کہ آیت استفہامیہ اسلوب لیے ہوئے ہے لہٰذا جن مترجمین نے اردو تراجم میں اس اسلوب کو ڈھالا ہے بلا شبہ ان کے تراجم دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہیں۔" (ص ۲۲۸)

الم نشرح آیت نمبر ۱ تا ۴: "ان تراجم میں ابو منصور اور امین اصلاحی کے تراجم میں ووضعنا اور ورفعنا کو معناً پہلی آیت پر ہی عطف کیا گیا ہے اسی لیے ہر دو کے تراجم استفہام نگاری کے اسلوب پر کیے گیے ہیں جبکہ دیگر ترجمے خبریہ کے اسلوب کے تحت ہیں جیسا کہ ہم اس سے بیشتر ہی عرض کر چکے ہیں کہ اس طرح کی آیات کا ترجمہ (استفہامیہ) انشائیہ اسلوب میں کرنے سے کلام کا اصل زور واضح ہو جاتا ہے۔" (ص ۲۳۰)

(ج) التکویر (۱۵ تا ۱۸): "آیات قسم میں یہ بات محقق ہے کہ قسم سے پہلے اگر "لا" یا "فلا" اس طرح آئے جس طرح یہاں آیا ہے تو وہ قسم کی نفی کے لیے نہیں، بلکہ مخاطب کے اس خیال کی نفی کے لیے آتا ہے جس کی تردید اس سے مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے فقط امین احسن اصلاحی اور سید مودودی کے تراجم نمایاں ہیں۔" (ص ۱۵۴)

انشقاق آیت نمبر ۱۴: "ان (آٹھ) تراجم میں مولانا اصلاحی اور سید مودودی صاحب نے اپنے ترجموں کا آغاز "پس نہیں" سے کیا ہے۔ قسم سے پہلے یہاں "لا" آیا ہے جو نہ تو زائدہ ہے اور نہ قسم کی نفی کے لیے آیا ہے، بلکہ یہ قسم سے پہلے مخاطب کے اس زعم باطل کی پیشگی نفی کے لیے آیا، جس کی تردید یہاں مضمون قسم میں مقصود ہے ۔۔۔ جس کا خیال مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے ترجموں میں رکھا گیا ہے۔" (ص ۱۶۱)

البلد: "مذکورہ (آٹھ) تراجم میں امین اصلاحی اور مولانا سید مودودی کے اپنے ترجمے کا آغاز لفظ "نہیں" سے کیا ہے گویا انہوں نے "لا" اقسم میں "لا" کو منفصل یعنی جملہ سے بالکل الگ مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے "لا" منفصل در اصل مخاطب کے خیال کی تردید میں واقع ہوتا ہے اس سے کسی سابق خیال کی شدت کے ساتھ فوری تردید مقصود ہوتی۔ واضح ہو کہ قسم سے پہلے "لا" کا منفصل آنا عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے۔" (ص ۱۸۶)

اللیل: "لفظ قسم اور شاہد کے تحت کیے گیے ترجموں میں فرق واقع ہوتا ہے۔۔۔ مختصر یہ کہ ان آیات کے حوالے سے امین احسن اصلاحی کا ترجمہ محمود الحسن کے ترجمے سے بھی کہیں زیادہ بہتر اور زور دار ہو گیا ہے۔" (ص۱۹۹)

الضحیٰ آیت نمبر ا تا۳: "راقم کے خیال میں واؤ قسمیہ کا مضمون ہماری زبان کے لفظ شاہد سے ادا کرنا انتہائی بلیغ ہے اور وہ ہمارے مترجمین میں فقط اصلاحی کے ہاں استعمال ہوا۔" (ص۵۰۲)

الشمس آیت نمبر ۵ تا۷: "قبل ازیں ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں بھی قسموں کا مضمون آیا ہے وہ تقدیس و تعظیم کے پہلو سے نہیں بلکہ دعوت فکر و تحقیق اور شہادت و گواہی کے پہلو سے آیا ہے چنانچہ یہ حُسن امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں نمایاں ہوا ہے۔"(ص۱۹۴)

ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے:

(۱) اسلوب استفہامیہ کا دعویٰ تو کیا گیا ہے، لیکن اس دعوے کی دلیل حدیث، آثارِ صحابہ، اقوالِ تابعین، عربی کتبِ تفاسیر، عربی ادب اور صرف و نحو سے نہیں دی گئی۔ اہلِ علم و دانش رائے زنی اور تحقیق کے فرق کو خوب جانتے ہیں کہ بلا دلیل موقف رائے زنی کہلاتا ہے اور دلیل کے ساتھ کوئی موقف و ترجیح ہو اسے تحقیق میں شمار کیا جاتا ہے مذکورہ بالا آیات پر موصوف کا تحقیقی تجزیہ دلائل سے عاری ہے۔ قارئین بہترین فیصلہ کریں گے کہ آیا یہ تحقیقی تجزیہ تحقیق کے زمرے میں آتا ہے یا رائے زنی کے اور کیا کسی مقالے کی جامعیت دلائل کے فقدان سے ممکن ہے؟

(۲) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنے پسندیدہ مترجمین کے تراجم کے محاسن کی عدم دستیابی کی بنا پر صرف اسلوب استفہامیہ اور قسمیہ کی تکرار کا سہارا دے کر نو بار امین احسن اصلاحی اور چار بار مولانا مودودی کو دیگر مترجمین پر ترجیح دی ہے۔ یہ جانب داری نہ صرف اسلوبِ تحقیق کے منافی ہے، بلکہ انصاف کے تقاضوں کو بھی شرمارہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان اسلوب کی صرف ایک ایک آیت کا انتخاب کیا جاتا، جس سے کسی کو بھی جانب داری پر حرف گیری کا موقع میسر نہیں آتا۔

آخر اس جانب داری کی وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر ڈاکٹر اوج نے اپنے مقالے کے وقار کو داؤں پر لگا دیا۔ یہ عقدہ موصوف کے علاوہ کوئی اور نہیں کھول سکتا۔ سرِ دست مولانا اصلاحی کے بارے میں یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"مولانا اصلاحی عربیت کے ماہر تھے اور عربی لغات پر ان کو عبور حاصل تھا، لیکن احادیثِ رسول ﷺ، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ و تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور امتِ مسلمہ کے ہزاروں محدثین، مفسرین اور فقہا کے تدبر و تفقہ کو نظر انداز کر کے یا ان پر صرف طائرانہ نظر کر کے خالص اپنی عربی دانی کی بنیاد پر تفسیر کرنا اور اسلاف کے تدبر کو پس پشت ڈال کر صرف اپنے اور اپنے شیخ کے تدبر پر اعتماد کرنا بہت بڑی خود اعتمادی اور بے احتیاطی ہے جو کبھی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔۔۔ وہ احادیث و آثار کو اتنی اہمیت نہیں دیتے جتنی اپنی عربی دانی اور اپنے تعقل اور تفکر کو دیتے تھے۔" (برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ، ص نمبر ۵۳۶)

ڈاکٹر شکیل لکھتے ہیں کہ اصول میں (مولانا اصلاحی) حنفی فقہ کو افضل مانتے تھے، لیکن اپنی تربیت کی روشنی میں انہیں بعض مسائل میں احناف سے اختلاف تھا۔

(۳) اسلوب استفہامیہ اور قسمیہ پر مولانا امین احسن اصلاحی کو ۹ بار اور مولانا مودودی کو چار بار اسی طرح اسلوبِ مخاطب پر پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا عبدالماجد کو چار بار ترجیح دی گئی۔ تحقیقی تقاضوں کے پس منظر میں اس تکرار کی مصنوعی ہوا مقالے سے نکال لی جائے تو تراجم کی ترجیح کا پیمانہ اب اس طرح بنتا ہے:

مولانا احمد رضا خاں	مولانا محمود الحسن
$\frac{7}{29}$	$\frac{9}{29}$
مولانا ثناء اللہ	مولانا عبدالماجد
$\frac{4}{29}$	$(2=4-6)\ \frac{2}{29}$
مولانا مودودی	مولانا امین احسن اصلاح
$(2=4-6)\ \frac{2}{29}$	$(4=9-13)\ \frac{4}{29}$
پیر محمد کرم شاہ	مولانا ابو منصور
$(4=8-4)\ \frac{4}{29}$	$\frac{3}{29}$

مولانا محمود الحسن کو ۹، مولانا احمد رضا خاں کو ۷، مولانا ثنا اللہ امر تسری کو ۴، مولانا اصلاحی کو ۴، پیر محمد کرم شاہ الازہری کو ۴، مولانا ابو منصور کو ۳، اور مولانا مودودی کو ۲ مقامات پر تراجم میں ترجیح حاصل ہے۔

آگے ان ترجیحات پر مزید تحقیق کر کے ایک پیمانہ اور درج کیا جائے گا، جس میں مولانا احمد رضا خاں کو دیگر مترجمین پر فوقیت حاصل ہے۔

فکری تضاد کی ایک جھلک

ڈاکٹر شکیل اوج لکھتے ہیں کہ امین اصلاحی اور سید مودودی نے اپنے ترجمے کا آغاز لفظ "نہیں" سے کیا۔ انہوں نے "لا اقسم" میں "لا" منفصل یعنی جملہ سے بالکل الگ مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے، جبکہ "لا" منفصل دراصل مخاطب کے خیال کی تردید میں واقع ہوتا ہے اس سے کسی سابق خیال کی شدت کے ساتھ فوری تردید مقصود ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ قسم سے پہلے "لا" منفصل کا آنا عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے۔ "کلا" بھی بالکل اسی نوعیت سے آتا ہے جبکہ دیگر مترجمین نے "لا" زائدہ مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔ "لا" زائدہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں "لا" نہ ہو جب بھی وہی معنٰی ہوں گے، مگر یاد رہے اس اسلوب میں "لا" زائدہ سے قسم کو مؤکد کرنا مقصود ہوتا ہے۔ "لا" منفصل اور "لا" زائدہ کی وضاحت کے بعد اب اس پہلو سے کسی کو ترجیح دینا امر دشوار ہے۔" (ص۱۸۷)

تحقیق کا تقاضا تھا کہ دلائل تلاش کر کے کسی ایک اسلوب کی ترجیح کو ثابت کیا جاتا۔ یقیناً دلائل کا جمع کرنا، ان کا تجزیہ کرنا اور اس کے نتیجے سے اسلوب کی ترجیح ثابت کرنا محنت طلب سرگرمی تھی۔ یہاں بھی موصوف کے قلم نے اس علمی و تحقیقی جستجو کرنے سے جواب دے دیا اور سہل پسندی سے کام لیتے ہوئے یہ "کسی ترجمہ کو راجح قرار دینا امرِ دشوار ہے" کہتے ہوئے بڑی سرعت سے اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے چلے گئے۔

فلا اقسم بالشفق

یہاں ڈاکٹر صاحب کی "لا" منفصل اور "لا" زائدہ کے بارے میں موشگافی ملاحظہ ہو:

ان تراجم میں اصلاحی اور مودودی نے اپنے ترجموں کا آغاز "پس نہیں" سے کیا ہے۔ قسم سے پہلے "لا" زائدہ آیا ہے جو نہ زائدہ ہے اور نہ قسم کی نفی کے لیے آیا ہے بلکہ یہ قسم سے پہلے مخاطب کے اس زعم باطل کی پیشگی نفی کے لیے ہے جس کی تردید یہاں مقصود ہے ۔۔۔۔اس اسلوب میں دراصل یہی وہ "بلاغت" ہے جس کا خیال مودودی اور اصلاحی صاحب کے ترجموں میں رکھا گیا ہے یعنی "فلا" کی معنویت اور افادیت کا بھرپور عکس ان کے ہاں موجود ہے۔" (ص۱۶۱)

اس سے پہلے والے پیراگراف میں "لا" منفصل اور "لا" زائدہ کی بحث میں ڈاکٹر صاحب فرما چکے ہیں کہ اس پہلو سے ("لا" منفصل اور "لا" زائدہ) سے "کسی بھی ترجمے کو ترجیح دینا امرِ دشوار ہے" اس آیت کے ترجمے میں بھی وہی صورت حال ہے، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مودودی نے "لا" منفصل کے تحت ترجمہ کیا ہے باقی مترجمین نے "لا" زائدہ کے تحت ترجمہ کیا ہے۔ یہاں "لا" منفصل میں ڈاکٹر اوج کو بلاغت، معنویت اور ادبیت دکھائی دے رہی ہے جبکہ "لا" زائدہ میں کسی قسم کی خوبی یہاں مفقود ہے اس لیے یہاں آسانی سے "لا" منفصل کو ترجیح دے دی گئی۔ جو امر وہاں دشوار تھا یہاں بالکل سہل ہو گیا، جس سے فکری تضاد بالکل نمایاں ہو رہا ہے جو کسی بھی سنجیدہ اور ذمے دار محقق کی شان کے خلاف ہے۔

حاصلات (Findings)

(۱۴) ۱۳ سورتوں میں سے ۱۳۱/ آیات کا انتخاب کیا گیا ہے اس کے برعکس صرف سورۃ النبا کی ۱۷/ آیات کا انتخاب کیا گیا ہے، جو مقالے میں غیر متوازن پہلو کی نشان دہی کرتا ہے۔

(۱۵) دیگر تراجم میں غلام احمد پرویز کے "مفہوم القرآن" کے زیادہ حوالہ جات شاملِ مقالہ ہیں۔

(۱۶) تین اسالیب کو ۹ سورتوں میں ۱۴ مقامات پر ترجیح دی گئی ہے۔

(۱۷) قرآن فہمی کا براہِ راست مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱۸) قرآن فہمی کے بنیادی مآخذ کتابیات میں شامل نہیں۔

(۱۹) تحقیقی اصول سے انحراف دکھائی دے رہا ہے۔

(۲۰) اصولِ تحقیق سے متعلق کوئی کتاب بطور ماخذ شامل نہیں۔

(۲۱) غلام احمد پرویز اور مولانا امین احسن اصلاحی کی نگارشارت بطور بنیادی مآخذ (Primary Sources) شاملِ مقالہ ہیں۔

(۲۲) مقالے میں جانب داری نمایاں دکھائی دے رہی ہے۔

(۲۳) پسندیدہ مترجمین کے تراجم میں محاسن کی عدم دستیابی کی بنا پر تکرار کے ذریعے ترجیح دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔

(۲۴) دلائل کا فقدان ہے۔

(۲۵) فکری تضاد پایا جاتا ہے۔

(۲۶) دلائل کے فقدان کو رائے زنی سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲۷) موضوعِ تحقیق کو مصادر تحقیق کہا گیا ہے۔

(نوٹ: پہلی قسط کے حاصلات کے تسلسل میں نمبر لکھے گئے ہیں)

(جاری ہے۔۔۔)

معاملاتِ سلم کی شرائط اور امام احمد رضا کی تحقیق

صبا نور (ایم فل، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان)

خلاصہ: اشیا کی ادھار فروخت دو صورتوں پر مبنی ہے ایک تو یہ کہ قیمت یا ثمن کی ادائیگی کو مستقبل پر موخر کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ قیمت تو نقد وصول کی جائے مگر شے خریدار کو مستقبل میں منتقل کی جائے۔ یہ دوسری صورت سلم کہلاتی ہے۔ سلم کے جواز کے لیے شریعت نے جو شرائط مقرر کی ہیں ان سے متعلق فقہانے کثیر تحقیقات پیش کی ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی معاشیات سے متعلق تحقیقات میں سلم کی شرائط سے متعلق تحقیق اہمیت کی حامل ہے جس کو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے۔ (صبا)

تعارف

دینِ اسلام ہی وہ واحد دین ہے، جس میں انسانوں کی بھلائی اور بہتری کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے۔ اس نے بنی نوع انسانوں کے مابین معاملات درست انداز سے قائم کرنے کے لیے اپنی تعلیمات واضح بیان کیں۔ وقت کے تقاضوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ائمہ وفقہانے انہی کو بنیاد بنا کر مسائل کا اِستخراج کیا تا کہ ان پر قائم رہ کر انسانوں کے مابین نزاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ عقد سَلَم بھی خرید وفروخت کے معاملات کی ایک شکل ہے جس میں عاقدین کے مابین یہ طے ہوتا ہے کہ خریدار بیچنے والے کو قیمت پیشگی ادا کرتا ہے مگر شے بوقت عقد موجود نہیں ہوتی۔ بیچنے والے پر لازم ہوتا ہے کہ ایک مخصوص مدت گزرنے کے بعد خریدی گئی شے خریدار کے حوالے کر دے۔

طریقۂ کار

عقد سلم کے درست ہونے کے لیے فقہائے کرام نے جو تفصیل بیان کی اس مقالے کا موضوع ہے۔ اس کو احادیث کی روشنی میں اور اس کا معنیٰ و مفہوم بیان کرنے کے بعد کتبِ فقہ سے اس موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ نیز اس موضوع پر مولانا امام احمد رضا کی تحقیق کو پیش کیا گیا ہے تا کہ مسلمان درست انداز سے اس عقد کو قائم کر سکیں۔

تحدید

سلم کی شرائط جو امام احمد رضا نے پیش کیں ہیں اور وہ صورتیں جو اس عقد کو ناجائز بناتی ہیں وہ اس مقالے کا موضوع ہیں۔ سَلَم پر امام احمد رضا کی تحقیق تفصیلاً ہے۔ اس مقالے میں صرف سَلَم کی شرائط کو پیش کیا گیا ہے۔

اعتذار

عقد سلم سے متعلق تحقیق العطایہ النبویہ فی الفتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات) میں تفصیلاً موجود ہے۔ مولانا احمد رضا نے اس موضوع پر محققانہ بحث کی ہے۔ اس مقالے میں صرف فتاویٰ رضویہ میں سے مولانا احمد رضا کی سلم کی شرائط کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ دیگر تصانیفِ رضا میں موجود سلم سے متعلق مواد کا احاطہ نہیں کیا گیا۔

مقاصدِ تحقیق

(۱) عقد سلم کی شرائط کو پیش کرنا تا کہ عصرِ حاضر میں یہ عقد درست اور جائز طریقے سے قائم ہو۔

(۲) جو صورتیں عقد سلم کو ناجائز بنا دیتی ہیں ان کو بیان کرنا۔

(۳) مولانا امام احمد رضا نے سَلَم پر جو تحقیقات پیش کیں ہیں ان کو منظرِ عام پر لانا۔

معنیٰ و مفہوم اور احادیثِ نبویہ سے ثبوت

بیع سلم خرید وفروخت پر مبنی ایسا عقد ہے کہ جس میں خریدار اور بیچنے والے دونوں کے مابین یہ سودا طے ہوتا ہے کہ بیچنے والا خریدار سے رقم فوری طور پر لے لیتا ہے اور وہ شے جس کے متعلق سودا طے ہوتا ہے وہ ایک عرصے کے بعد بیچنے والا خریدار کے حوالے کرتا ہے اس قسم کے معاملات احادیث سے ثابت ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ ایک سال، دو سال، تین سال تک پھلوں میں سلم کرتے ہیں۔ فرمایا: ''جو بیع کرے وہ کیلِ معلوم (معلوم ناپ) اور وزنِ معلوم میں مدّتِ معلوم تک سَلَم کرے'' یعنی ناپ اور وزن معلوم ہو تب

ایک مدت تک کے لیے ایسا سودا کرنا درست ہو گا۔[۱]

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ عبد اللہ بن شداد اور ابوہریرہ نے مجھے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس بھیجا کہ جا کر اُن سے پوچھو کہ نبی ﷺ کے زمانے میں صحابۂ کرام گیہوں میں سلم کرتے تھے یا نہیں؟ میں نے جا کر پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ ہم ملک شام کے کاشتکاروں سے گیہوں اور جو اور منقے میں سَلَم کرتے تھے، جس کا پیمانہ معلوم ہوتا اور مدت بھی معلوم ہوتی۔ میں نے کہا ان سے کرتے ہوں گے جن کے پاس اصل ہوتی یعنی کھیت یا باغ ہوتا انہوں نے کہا ہم یہ نہیں پوچھتے کہ اصل اس کے پاس ہے یا نہیں۔[۲]

کتبِ فقہ سے شرائط کی تفصیل

ان احادیثِ مبارکہ سے بیع سلم کے عقد کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ احادیث اور فقہی اعتبار سے اس عقد کے جواز کی کچھ شرائط ہیں جن کے بغیر یہ معاملہ درست نہیں ہو گا۔

اس میں جس سودے کو خریدا جاتا ہے وہ بیچنے والے کے ذمے دین ہے خریدار بیچنے والے کو قیمت فوری ادا کر دیتا ہے۔ خریدار جو کہ رقم ادا کرتا ہے فقہی اصطلاح میں اس کو رب السلم اور مسلم کہتے ہیں بیچنے والے کو مسلم الیہ اور شے کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔[۳]

بیع سلم میں دونوں عاقدین کے لیے خیار شرط نہیں ہوتا ہے جیسا کہ عقد بیع کے باقی معاملات میں یہ شرط ہوتی ہے کہ سودا پسند نہ آنے کی بنیاد پر عاقدین اس معاملے کو منسوخ کرنے کا اختیار رکھیں گے۔ اس عقد میں جو قیمت ادا کی جاتی ہے اس کی جنس کا بیان ضروری ہوتا ہے کہ جیسے وہ قیمت نوٹ کی شکل میں ہے یا اشرفی وغیرہ کی۔ اسی طرح اس علاقے میں جس قسم کے روپے یا اشرفیاں رائج ہوں ان کا بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ نوع اور جنس بیان کرنے کے ساتھ ان کی مقدار بھی لازمی بیان کی جائے گی۔ اگر یہ مال دو مختلف جنسوں کے ہوں جیسے کچھ روپے اور کچھ اشرفی تو خریدار کو ان کی مقدار بتانا بھی لازمی ہے۔ اگر ایک کی بیان کر دی، دوسرے کی نہیں، تو دونوں میں بیع سلم درست نہیں ہو گی۔[۴]

معاملہ طے کرتے وقت خریدار بیچنے والے کو جو قیمت ادا کرتا ہے بیچنے والے کا اس قیمت پر قبضہ ہونا ضروری ہے۔ اس مجلس کی ابتدا میں قبضہ ہو یا آخر میں، دونوں طرح سے ہی جائز ہے۔ یعنی قیمت کا فوری ادا کرنا اور دوسرے کا قیمت پر قبضہ ہونا لازمی ہے۔ اگر روپیہ کچھ عرصے بعد دیا، یا ایک ہی مجلس میں عقد طے ہوا روپیہ ادا کرنا باقی ہے کوئی رکاوٹ پیدا ہو گی اس طرح کی تمام باتیں سلم میں درست نہیں عقد باطل ہو جائے گا۔ جیسا کہ دو سو روپے کا عقد کیا ایک سو اُسی مجلس میں ادا کر دیے، ایک سو کے متعلق کہا کہ یہ میرے ذمے باقی ہیں تو جو روپیہ دیا ہے ان کا عقد درست جو ادا نہیں کیا ان کا باطل ہو گا۔

بیع سَلَمْ میں یہ بات طے کرنا ضروری ہوتا ہے کہ جس شے سے متعلق سودا طے ہوا ہو اُس شے کی جنس کر بیان کو دیا جائے کہ یہ فیصلہ گیہوں سے متعلق ہے یا جو سے متعلق پھر یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ یہ قسم اعلیٰ ہے یا ادنیٰ یا اوسط درجے کے ہیں ان کے ناپ تول میں احتیاط برتی جائے گی کہ واضح ہو کہ کتنی مقدار، سیر دو سیر وغیرہ تاکہ عاقدین نزاع سے بچ سکیں جو پیمانہ مقرر ہو وہ ایسا ہو کہ سمٹتا اور پھیلتا نہ ہو۔

بیع سَلَمْ ہر اس شے میں طے ہو سکتی ہے کہ جس شے کی مقدار معلوم ہو وہ اشیا جو کیلی (ناپ تول سے بکنے والی اشیا) ہیں۔[۵] مگر اس عقد میں ان کی مقدار وزن سے مقرر ہوئی تو اس طرح سے بھی یہ عقد جائز ہے۔ دوسری صورت عددی ہے مگر عقد سَلَمْ میں ناپ یا وزن کے ساتھ ان کی مقدار کا تعین ہوا تب بھی یہ درست ہو گا۔

دونوں عاقدین سَلَمْ کے عقد میں کم سے کم ایک ماہ کی معیاد مقرر کر سکتے ہیں۔ رب السلم (شے کا خریدار جو روپیہ پیشگی ادا کرتا ہے) کے فوت ہو جانے کی صورت میں بھی یہ معیاد باقی رہے گی کہ دوسرا فریق اس شے کو اس کے ورثاء کے حوالے کر دے گا، لیکن مسلم الیہ (بیچنے والا) کے فوت ہونے کی صورت میں یہ معیاد باطل ہو جائے گی اور خریدار اس کے ترکے سے وصول کرنے کا حق دار ہو گا۔

جس شے سے متعلق سودا طے ہو وہ شے وقت عقد سے لے کر ختم معیاد تک برابر بازار میں دستیاب ہو اور جس وقت خریدار کو ادا کی جائے اس وقت بھی ان زمانوں میں ایک بھی شے معدوم ہو گئی تو یہ عقد ناجائز ہو گا۔ اسی طرح شے تو موجود ہو مگر خریدار نے قبضہ نہ کیا بعد میں وہ شے ناپید ہو گئی مارکیٹ میں دستیاب نہیں تو یہ عقد درست ہو گا خریدار کو اس عقد کے قائم رکھنے یا فسخ کرنے کا حق ہو گا۔ وہ یا تو

عقد کو ختم کر دے یا انتظار کرے کہ جب شے بازار میں دستیاب ہو اس وقت ادا کی جائے۔

سَلم کے عقد میں بیچنے والا شے کو کس جگہ پر دوسرے فریق کے حوالے کرے گا جگہ کا متعین ہونا ضروری ہے لیکن اس کا متعین ہونا شے کی نوعیت پر منحصر ہو گا۔ جگہ متعین نہیں تو جس جگہ عقد کیا ہے اسی جگہ پر شے کو خریدار کے حوالے کر دے۔ چھوٹے شہر میں جگہ کی تخصیص ضروری نہیں بڑے شہر میں یہ تخصیص لازمی ہے۔[۶]

امام احمد رضا اور معاملاتِ سَلَمْ

مولانا احمد رضا خاں نے عقدِ سَلَمْ سے متعلق "العطایہ النبویہ فی الفتاویٰ رضویہ" کی کتاب البیوع میں ایک باب قائم کیا جس میں اس تفصیل طلب موضوع کو محققانہ انداز میں سمیٹا جس کا اندازہ اس موضوع کے مطالعہ کرنے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ سَلمْ سے متعلق باتوں کو شرائط کے انداز میں بیان کیا کہ یہ عقد بارہ شرطوں سے متحقق ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی کمی ہو تو یہ عقد ناجائز اور سود کے معنوں میں شمار ہو گا۔ ان شرائط کو مختلف حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے تو مسلم فیہ (یعنی شے جس کا سودا طے کیا جارہا ہے)۔

سَلم کی ۱۲ شرائط

(۱) عاقدین جس شے سے متعلق یہ عقد قائم کر رہے ہیں اس شے کی جنس کا واضح ہونا لازمی ہے کہ یہ عقد چاولوں سے متعلق ہے یا گیہوں یا جو، گندم وغیرہ جنس کا متعین ہونا اس عقد کی درستگی کے لیے شرط ہے۔ اگر یونہی کہا کہ غلّہ لیں گے تو یہ کہنا کافی نہیں، کس قسم کا غلہ اس کا تعین ضروری ہے۔

(۲) صِرف جنس کا تعین کافی نہیں۔ اب اس کی قسم بھی متعین کی جائے گی، جیسے چاولوں کی ہی بے شمار اقسام ہیں۔ صرف چاول کہا عقد درست نہیں ہو گا۔ جس قسم سے متعلق یہ عقد قائم کیا جارہا ہے اس قسم کا بیان شرط ہے۔

(۳) اس قسم کی صفت بھی متعین کی جائے گی مثلاً یہ عمدہ بہت ہیں، ناقص ہیں اوسط درجے کے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۴) ان کی مقدار بھی بیان کی جائے گی مثلاً اتنے من یا اتنے کلو اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہو جائے گی مثلاً کہ فی روپیہ اتنے سیر کہ روپیوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل کی مقدار معلوم ہو جائے۔ اور جہاں مختلف پسیروں کا رواج ہو وہاں پسیری کا تعین بھی ضروری ہے کہ فلاں پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعین بھی لازمی ہے غرض کہ کوئی ایسی بات پوشیدہ نہ رہے جو دونوں عاقدین کے متعلق جھگڑے کا باعث ہو۔ مولانا احمد رضا نے شے سے متعلق باتیں بیان کر کے سَلم میں "معیاد" کی تفصیل بھی بتادی کہ کم سے کم معیاد کتنی ہو، کیونکہ اس عقد میں مدت کا تعین لازمی ہے۔ مدت بیان کیے بغیر یہ عقدِ اول تو قائم ہی نہ ہو گا اگر ہو بھی جائے تب بھی فریقین کے مابین تضاد کی صورت باقی رہے گی، جیسے خریدار یہ کہے کہ سفر کو جاتا ہوں دوبارہ واپس آکر لوں گا اس میں وقت کا تعین نہیں۔

(۵) آپ فرماتے ہیں کہ معیاد کم سے کم ایک مہینہ ہو گی تعین نہیں کیا کہ جب چاہالیں گے ایسی باتیں اس عقد کو ناجائز کر دیتی ہیں۔

(۶) وہ شے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں خرچہ بھی پڑتا ہے تو دونوں عاقدین یہ بھی طے کریں گے کہ معیاد ختم ہونے کے بعد وہ شے کہاں پہنچانی ہے جگہ کا تعین بھی کیا جائے گا۔ خریدار نے جس جگہ کا تعین کر دیا بیچنے والے کو اسی مقررہ جگہ پر شے پہنچانی لازمی ہو گی۔ شے اور معیاد کا تعین عقد سَلم میں لازمی ہے۔ تیسری بات جو اہمیت کی حامل ہے وہ روپے پیسے سے متعلق ہے۔

(۷) ثمن (قیمت) کا بھی تعین ہو جائے، مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) ثمن جس نوعیت کا ہے وہ قسم بھی معین ہو مثلاً اشرفی کونسی ہو۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو گا۔

(۱۰) اگر وہ اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے مبیع کا ٹکڑا لے جیسے سونا چاندی روپیہ اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر ہوں گے چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعین مقدار بھی ضرور ہے۔

(۱۱) یہ بھی شرط اس عقد میں لازمی ہو گی کہ قیمت اسی جلسہ میں ادا کی جائے گی اگر ساری باتیں طے ہو جانے کے بعد دونوں فریقین الگ ہو گئے قیمت پیشگی ادا نہیں کی تو یہ عقد فاسد و ناجائز ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک فریق یعنی خریدار اٹھ کر پیسے لینے گھر گیا اور بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہو گئی تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔

(۱۲) یہ شے اس نوعیت کی ہو کہ روز عقد سے لے کر ختم معیاد تک ہر

وقت بازار میں مل سکے ورنہ یہ عقد ناجائز ہو جائے گا۔ ؎

خلاصۂ تحقیق

غرض یہ وہ شرائط ہیں جو مولانا احمد رضا نے عقد سلم کے جواز کے لیے بیان فرمائیں۔ ان تمام شرائط میں سے ایک بھی مفقود ہو تو یہ عقد ناجائز ہو جائے گا۔ ان کا مقصد فریقین کے مابین اس عقد کو بہتر اور جائز بنانا ہے اور عقد کو درست بنیادوں پر قائم کرنا ہے تاکہ عاقدین بغیر کسی جھگڑے اور نزاع کے اس عقد پر قائم رہ سکیں۔

نتائج

عقد سلم کو انسانوں کی بہتری کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس میں جس شے کا سودا کیا جائے اُس کا واضح ہونا ضروری ہے۔ نیز اس معاہدے میں مدت کا بیان مشروط ہے تاکہ عاقدین جھگڑے اور فساد سے بچیں رہیں۔ مولانا احمد رضا نے بیع سلم کو بارہ شرائط کے تحت بیان کیا کہ ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو یہ عقد ناجائز ہو جائے گا لہٰذا اس عقد کو قائم کرتے ہوئے شریعت مطہرہ نے جو باتیں بیان کیں ہیں ان کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اور مولانا احمد رضا کی بیان کی گئیں شرائط کے تناظر میں قائم کرکے اس عقد کو درست بنیادوں پر طے کیا جاسکتا ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب السلم، الحدیث: ۱۲۰۴۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب السلم، باب السلم الی من لیس عندہ اصل، الحدیث، ۲۲۴۴۔

۳۔ عین الھدایہ اردو شرح ہدایہ، مترجم مولانا سید امیر علی، جلد ۳، ص ۱۸۵، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور۔

۴۔ بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، گیارھواں حصّہ، ص ۱۸۹، مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ المرجع السابق۔

۷۔ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات) امام احمد رضا بریلوی، جلد ۱۷، ص ۵۶۹ تا ۵۷۱، رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

بنامِ آں تابشِ خوش رَسے

جنابِ تابؔش علوءِ ہمت، بڑی عنایت، سلامِ رحمت
ملا ہے مکتوبِ باکرامت، مری سعادت، سلامِ رحمت
تمہارے سر پر ہو سایہ گسترخدائے عزّوجل کی رحمت
تمہارا نامہ پیامِ الفت، سراپا شفقت، سلامِ رحمت
تمہاری فکر رسا ہے عالی، تمہاری تحریر بے مثالی
ہے "دعوتِ فکر" میں ہدایت، پیامِ رافت، سلامِ رحمت
انہی کے اک ریزہ خوار ہم بھی، زمانے کے ہیں جو اعلیٰ حضرت
انہی سے تم بھی ہو باکرامت، سدا سلامت، سلامِ رحمت
دعا یہ کیجے جنابِ تابؔش کہ وقتِ آخر قریب ہے اب
نہ چھوٹے دامانِ اعلیٰ حضرت، زہے عنایت، سلامِ رحمت
رضؔا کی چشمِ کرم ہے تاباؔں کہ علم کی کررہے ہو خدمت
تمہارے ساتھی رہیں سلامت، بصد شرافت، سلامِ رحمت

☆سیّد وجاہت رسول تاباؔں قادری

(علامہ تابؔش قصوری کے ایک کرم نامہ کے جواب میں، ۲۱ مئی ۲۰۱۲ء، کراچی)

قطعہ

ہم گرفتار بلا ہیں آج پھر اس دور میں
آپ کی ہے پھر ضرورت حضرتِ احمد رضا
آج سینوں میں ہے تاباؔں نور عشق مصطفیٰ
آپ کا ہے فیض و برکت حضرتِ احمد رضا

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام (وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی)

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind. The Muslims have their own culture and their own civilization. Hence the Muslims should get a state in the Muslim majority areas where they may be able to Cultivate their religious and moral tradition. In 1925 the all India Sunni Conference took place at Muradabad. According to its plan the Muslim majority provinces of the sub-continent were to be made a separate unit with a Muslim Government.

حضرت محدثِ اعظم ہند مولانا سیّد محمد الاشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ کو موضع جائس ضلع رائے بریلی میں ہوئی۔۶۹؎ آپ کا اسم گرامی سیّد محمد تھا۔ والد گرامی کا نام حکیم سیّد نذر تھا۔ ۷۰؎ آپ کی تربیت نانا جان حضرت شیخ المشائخ سیّد علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ والد صاحب سے فارسی پڑھنے کے بعد حضرت مولانا عبد الباری فرنگی رحمۃ اللہ علیہ سے "مدرسہ نظامیہ" فرنگی محلی سے علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ مولانا عبد الباری آپ کے سیّد زادے ہونے کی بنا پر آپ کا بہت احترام کرتے۔ آٹھ سال بعد حضرت مفتی لطف اللہ سے شرح تجرید اور افق المبین کا درس لیا۔ مفتی صاحب نے سندِ فراغت میں "علامہ" کا لفظ لکھا۔ پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی اور مولانا شاہ مطیع الرسول عبد المقتدر بدایونی علیہما الرحمۃ سے حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ ۷۱؎

جب آپ فارغ التحصیل ہوئے تو اس کے بعد آپ نے دہلی مدرسۃ الحدیث قائم کر کے درسِ حدیث دینا شروع کیا۔ آپ نے اپنے نانا جان حضرت سیّد علی حسین اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اپنے ماموں حضرت شاہ احمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور خلقِ خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔ آپ نے حضرت امام شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا تھا۔ حضرت امام شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی موصوف کو سیّد ہونے کی وجہ سے بہت محترم جانتے تھے۔ پھر بعد میں حضرت امام شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محدث کچھو چھوی رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا تھا۔ ۷۲؎

سیّد محمد محدث کچھوچھوی حضرت امام شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہما الرحمۃ سے عقیدت و محبت رکھتے تھے اور بریلی شریف میں عرسِ رضوی میں ہر سال حاضر ہوتے تھے اور حضرت امام شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ جماعت رضائے مصطفٰی کے تاحیات صدر مقرر ہوئے۔ علماءِ اہلِ سنّت کے درمیان اتحاد کے عظیم علمبردار تھے۔ آپ مذہبی، تبلیغی اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے اور ساتھ ساتھ آپ نے سیاسی تحریکوں میں بھی بھرپور حصّہ لیا۔ پاکستان کی تحریک میں آپ کی کاوشیں اور خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے دیگر مشائخ عظام اور علمائے اہلِ سنّت کے شانہ بہ شانہ کام کیا۔ تحریکِ پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کیے اور عوام کو مسلمانوں کے مستقبل سے آگاہ کر کے نظریۂ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ ۷۳؎

* بنارس آل انڈیا سنی کانفرنس اور اجمیر سنی کانفرنس میں حضرت موصوف کے خطبے تحریکِ پاکستان کی حمایت کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں آپ کے خطبۂ صدارتی سے ایک اقتباس آپ قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش ہے:

* "میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی "پاکستان" کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے۔ ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ آپ نے نعروں کی گونج میں "پاکستان لے کر رہیں گے" مسجدوں میں،

خانقاہوں میں، بازاروں میں ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونینٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر لیگی (رہنماورکن) بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہو گیا ہے اور جو لفظ مختلف ذہنوں کے استعمال میں ہو اس کے معنیٰ مشکوک ہو جاتے ہیں۔ جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر نہ بتادے۔۔۔ ہندوستان کے ایک حصّہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم ذمیوں کی جان ومال، عزت وآبرو کو حسبِ حکمِ شرع امان دی جائے، ان کو ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر سنیوں کی اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سنّی قبول نہیں کرے گا۔"[۵۴]

۵-۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو سنی کانفرنس اجمیر شریف میں آپ نے صدارت کی اور خطبۂ صدارت میں سنّیوں کو مخاطب کیا اور اُنھیں عشقِ رسول سے سرشار کرتے ہوئے فرمایا: "اے سنّی بھائیو! اے مصطفیٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی، اب بحث کی لعنت چھوڑو، اب غفلت کے جُرم سے باز آؤ، اُٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جاکر دم لو کہ یہ کام اے سنّیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔" [۵۷]

آپ اپنی تقریر آگے مزید جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں کتنا مقدس مقام اور کس قدر اہم ایوان اور کتنی خاص تاریخ میسر ہے۔ زمان و مکان کی پوری پوری ادائیں موجود ہیں اور بعونہٖ تعالیٰ اخوان کی شرط بھی موجود ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کے ہم گنہگار نہیں، سیہ کار نہیں، خطا شعار نہیں؛ لیکن ہاں ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ باغی نہیں، ہم غدار نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا مقصد بھی نہایت بلند پایہ ہے۔ آج ہمارا اجمیر میں وہی مقصد ہے جو چشت کے راجہ کو صدیوں پہلے اجمیر ہی لا چکا ہے جس نے جیلان والے غوث کو بغداد بھی پہنچایا ہے۔

جس کے لیے اللہ کا حبیب مکّہ سے مدینہ اور پھر مدینہ سے فاتحانہ شان کے ساتھ مکّہ پہنچا تھا۔ جس کا مقصد مختصر اور نام خدا تعالیٰ کے دین کے پیغام اور اس دینداری کی آزادی ہے۔ ذرّہ ذرّہ کو مسلم بنانا اور اسلام کے پرچم کو آزاد رکھنا ہے، انسان کو پاک کرنا اور انسانی آبادی کو پاکستان بنانا ہے۔

ہمیں اپنے خواجہ سے یہی کہنا ہے کہ زمانہ اب روشنی کی اہلیت و استعداد کو نہیں، بلکہ کیڑے مکوڑوں کی کثرتِ تعداد کو دیکھتا ہے، گوبر، پیشاب والوں کو پَوتر اور اللہ کے پاک بندوں کو ملچھ کہا جاتا ہے۔ جن غداروں کو زمین پر قدم رکھنے کا حق نہیں، ان کو دیسی اور جن کے لیے زمین پیدا کی گئی ان کو بدیسی کا لقب دیا جاتا ہے۔ فلسطین میں ذلت کے ماروں اور مسکن آواروں کو مسلمانوں کے سینہ پر بسایا جارہا ہے۔ کعبہ میں فریضۂ حج پر ایک ایک ہزار کا ٹیکس لگایا جارہا ہے اور بڑا غضب یہ ہے کہ آپ کا پڑھایا ہوا کلمہ پڑھتے ہوئے کچھ ملت فروش دستار کے شملوں کو چوٹیوں پر، شلواروں کے دھاتیوں پر، صرف چند ٹکوں کے لیے نچھاور کر چکے ہیں۔ نہروانیوں نے دوبارہ اپنا ایک نہرو بنالیا ہے۔ اب ایک جیپال نہیں، بلکہ جیپالوں کی پلٹن ہو گئی ہے اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ خواجہ والے مسلمان یعنی سنّی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

اے میرے خواجہ! آپ کے وفاداروں نے آپ کے اللہ اور آپ کے رسول اور آپ کے اخوان اولیاء کے خلاف آوازے سنے تو گستاخوں کے جبہ و دستار سے ڈرے، جو کسی طرح قابلِ برداشت نہ تھا۔ شاید ہماری یہی ایک نیکی کام آئی اور اسی وفاداری پر خواجہ کو رحم آگیا، کیونکہ بلاشبہ ہندوستان میں یہ ولی الہند ہی کی کرامت ہے کہ ہمارے ان رہنماوں کو بیداری بخشی۔ وہ رہنما کون ہیں؟ یہی ہمارے پیر ہمارے علماء اہلِ سنّت و جماعت، سارے پیر خانقاہ کی چار دیواری سے نکل پڑے اور میدان میں ڈٹ گئے۔ سارے علماء مدرسوں سے باہر آکر کھڑے ہو گئے اور ارادہ کر لیا کہ نو ۹ کروڑ سنیوں میں روٹھے ہوؤں کو منایا جائے، ان کو مبلغ بنا کر ذمّہ داری دی جائے۔ کہ مرنے سے پہلے فی کس دس (۱۰) نہیں تو ایک غیر مسلم کو مسلمان کرنا ہے، ان کو تعلیم دین سے آراستہ کرکے، ان کے علم کو ان کے عمل کو ان کے اخلاق کو پاک کر دینا ہے، تاکہ جہاں وہ قدم رکھیں پاکستان ہو جائے۔ اب ایسے مدارس ناقابلِ برداشت ہیں جو سنیوں کی جیب پر ڈاکے ڈالیں اور سنیوں کے مفاد سے لڑتے رہیں اور سنیوں میں انتشار پیدا کریں۔ اب تمام سنی مدارس کو ایک نظام میں لاکر ان میں تعلیم و تربیت کی یکسانیت پیدا کرنی ہے۔ خانقاہوں کو آراستہ کرنا ہے اور ان

میں تبلیغ و تعلیم کی رُوح پھونکنی ہے۔ ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے۔

میرے سنّی بھائیو! اب ہم پر حجتِ الٰہیہ ختم ہو چکی اور اگر ہم ان رہنماؤں سے بچھڑ گئے تو میدانِ حشر میں ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہو گا۔ ہمارے جگانے والے پکار رہے ہیں کہ سنو جاگو جاگو۔ ہمیں ہوشیار کرنے والے آواز دے رہے ہیں کہ سنیو! ہوشیار، خبر دار ہمیں ترقی دینے والے بلا رہے ہیں کہ آؤ بڑھے چلے آؤ۔

اے سنّی بھائیو! اے مصطفیٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی، اب بحث کی لعنت چھوڑو اب غفلت کے جُرم سے باز آؤ، اُٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو، تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سنّیو! سن لو کے یہ صرف تمہارا ہے۔ ۷۶

آپ کی تبلیغی خدمات کے نتائج

آپ کا تمام سال تبلیغی دورے میں صرف ہوتا تھا۔ پانچ ہزار سے زائد غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا اور کئی لاکھ مسلمان بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے تھے۔ ۷۷

آپ کا وصال

دینی، سیاسی، تبلیغی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز شنبہ لکھنؤ میں آپ کا وصال ہوا۔ کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد میں آپ کا مزارِ پر انوار ہے۔ آپ کی نماز جنازہ سیّدنا شاہ مختار اشرف الجیلانی الاشرفی کچھوچھوی سجادہ نشین سرکار کچھوچھہ شریف نے پڑھائی۔ ۷۸

مولانا غلام جان ہزاروی

مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۰ء میں روکرہ تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ۸۹ آپ کے والد کا نام مولانا محمد احمد جی تھا۔ مولانا غلام جان صاحب کا گھرانہ علمی گھرانہ تھا۔ آپ کے دادا جناب محمد عالم اور والدِ محترم نہایت ہی پاکیزہ نفس اور بہت ہی بلند پایہ عالم تھے۔

مولانا مفتی غلام جان ہزاروی نے قرآنِ کریم، فارسی، صرف و نحو اور فقہ حنفی کی ابتدائی کتب اپنے والد ہی سے پڑھیں اور بعد میں فقہ کی کچھ کتابیں غلام رسول صاحب سے گجرات میں پڑھیں۔ علامہ برکات احمد ٹونکی سے ریاضی کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی نے مدرسۂ عالیہ ریاست رام پور میں تکمیل کی۔ پھر علم کی لگن میں مولانا مفتی غلام جان ہزاروی بریلی پہنچے اور مدرسۂ منظرِ اسلام میں دیگر کتب کے ساتھ ساتھ صحاحِ ستہ مکمل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں دستارِ فضیلت سے مشرف ہوئے۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے اور خلافت سے بھی نوازے گئے۔ ۸۰

دینی و اصلاحی خدمات

مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ایک سال تک مختلف علوم حاصل کرتے رہے اس دوران ضلع ہزارہ میں قضاء کے عہدے پر فائز ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد لاہور تشریف لے آئے۔ اس کے بعد مولانا مفتی غلام جان ہزاروی دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس ہوئے اور مفتی کی حیثیت خدمت انجام دینے لگے۔

۱۳۳۵ھ میں مولانا مفتی غلام جان ہزاروی نے سفر حرمین کا ارادہ کیا۔ اس نیک سفر کے موقعہ پر آپ کے شاگرد بھی ساتھ تھے۔ مکّۂ مکرمہ پہنچ کر حج کیا اور پھر مدینۂ منوّرہ روانہ ہوئے۔ مدینۂ منوّرہ میں آپ کا عشق رسول دیکھنے کے قابل تھا۔ مولانا کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت میں حد درجہ قلبی محویت تھی۔ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک زبان پر آتا تو آنکھوں میں آنسو آجاتے اور رُخساروں پر موتیوں کی لڑی بن جاتی۔ مولانا کا وعظ میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان لوگوں کے دلوں اور اعمال میں انقلاب برپا کر دیتا اور وعظ کے دوران لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے۔

مولانا موصوف شریعتِ اسلامیہ کے احکام کی خلاف ورزی یا بے حرمتی ہرگز برداشت نہ کرتے اور جوش میں آجاتے اور اس کی خوب اچھی طرح سے تادیب کرتے۔ مولانا ایک بڑے عالم ہونے کے باوجود اپنے ذاتی کام خود کیا کرتے تھے۔ مولانا خاص طور پر یتیموں اور بیواؤں کا بہت خیال رکھتے تھے اور اُن کی ہر طرح سے خدمت کیا کرتے تھے۔

سیاسی خدمت

مولانا نے قراردادِ پاکستان کی پُر زور حمایت کی۔ ۸۱ قراردادِ پاکستان کا

پس منظر بڑا طویل ہے۔ اس کا آغاز اس وقت ہو چکا تھا جب دسمبر ۱۹۳۸ء کے بعد مسلم لیگ نے وفاقی طرزِ حکومت کی تجویز کو مسترد کر کے لیگ کے صدر کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لیے کوئی بہتر اور متبادل آئینی اسکیم پیش کریں۔ اس سلسلے میں مارچ ۱۹۳۹ء میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس میرٹھ (یوپی انڈیا) میں منعقد ہوا، جس میں کمیٹی تشکیل دے کر جلد از جلد آئینی تجاویز پیش کرنے کا فیصلہ ہوا تا کہ مسلم لیگ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکے۔

قرار داد کی تائید جہاں زعمائے ملت نے کی، وہاں مولانا موصوف نے بھی اس قرار داد کی تائید کی۔ قرار داد کی منظوری کے وقت تقریباً ایک لاکھ افراد کا مجمع تھا، جنہوں نے ہاتھ اُٹھا کر پُرجوش نعروں سے قرار داد منظور کرلی اور یہ بات ثابت کر دیا کہ مسلمانانِ ہند کی جو منزل واضح ہو چکی ہے اب دُنیا کی کوئی طاقت انہیں اس منزل سے دور نہیں کر سکے گی۔ آزادی صرف ہندوؤں کا حق نہیں ہے، بلکہ مسلمان بھی اس کے حقدار ہیں۔

مولانا مفتی غلام جان ہزاروی آل انڈیا سنی کانفرنس میں بھی شریک رہے۔ ۸۲؎ اس کانفرنس کے انعقاد نے انگریز حکمران اور ہندوؤں پر واضح کر دیا کہ حصولِ پاکستان مسلمانوں کی تمنا اور زندگی کا مقصد ہے۔ علماءِ اہلِ سنّت نے وقتاً فوقتاً آل انڈیا سنی کانفرنس مختلف شہروں میں انعقاد کرتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں عام مسلمانوں نے پاکستان بنانے میں اپنا کردار کیا، وہیں علماءِ اہلِ سنّت نے بھی بھرپور جدوجہد اور کردار ادا کیا۔

علما کی مرکزی سیاسی تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے ۱۹۴۶ء سے متحرک اور فعال حیثیت سے مسلمانوں کی ترجمانی کر رہی تھی۔ ۱۹۴۰ء سے شروع ہونے والے تحریکی دور جو سیاسی اور تمدنی ضلالت و واقعات سے لبریز و منسلک ہے۔ اس دور میں علما نے اپنے عمل و کردار سے سیاسی آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنے جدوجہد تیز سے تیز کر دی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں عام مسلمانوں نے پاکستان بنانے میں اپنا کردار ادا کیا وہیں علماءِ اہلِ سنّت و جماعت نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا موصوف نے بھی نظریۂ ریاست کو خاطر نظر رکھا۔ ان کے نزدیک اسلامی نظریہ سے مراد وہ لائحہ عمل اور زندگی گزارنے کا طریقہ جو انسان کے لیے اللہ کی طرف سے متعین کیا گیا ہے "اسلامی نظریۂ حیات" کہلاتا ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات فرد کے کسی ایک پہلو پر نہیں بلکہ پوری زندگی پر مُحیط ہے اور انسانی زندگی کا ہر پہلو اس کے دائرۂ اثر میں شامل ہے۔ اسی اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس دنیا میں دو قومیں موجود ہیں۔ نظریۂ پاکستان کی بنیاد بھی یہی نظریہ ہے۔ دنیا کی دیگر اقوام آزادی کے لیے نسل، زبان، معیشت کا سہارا لیتی ہیں، لیکن جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے آزادی کے لیے کوئی دنیاوی مسئلہ نہیں ڈھونڈا بلکہ اُنہوں نے اسلامی فلسفۂ حیات پر اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی۔

مولانا مفتی غلام جان ہزاروی کی وفات پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۹ء بروز ہفتہ ہوئی۔ مولانا کا مزار لاہور میں غازی علم الدین شہید کے مزار کے جنوبی احاطے میں بنایا گیا۔ ۸۳؎

سید فتح علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی فتح علی شاہ آپ کے والد محترم کا نام نامی سیّد امیر شاہ بن قیوم زمان شاہ ہے۔ آپ کی پیدائش ۵ مارچ ۱۸۷۹ء بمطابق ۱۱ ربیع الاوّل ۱۲۹۶ھ کو کوکھڑ سیداں ضلع سیالکوٹ (جو کہ صوبۂ پنجاب میں ہے) میں صبح صادق کے وقت ہوئی۔ ۸۴؎ آپ کے والد گرامی اپنے دور کے جیّد عالم تھے اور آپ کے دادا قرآن و حدیث اور فنِ طب میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور سلسلۂ قادریہ میں مرشدِ باکمال تھے۔ حضرت سیّد فتح علی شاہ نے پرائمری تعلیم حاصل کرنے کے بعد علومِ اسلامیہ کی ابتدائی کتب آپنے دادا سے اور فقہ و حدیث کی چند کتابیں علامہ عبدالرحمٰن کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۸ھ) سے پڑھیں۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ حنفیہ گجرات کے مولانا محمد عبداللہ سے بھی علم حاصل کیا۔ پھر آپ کی علم حاصل کرنے کی لگن آپ کو واپس سیالکوٹ لے آئی اور بعد میں آپ اپنی علمی لگن کی وجہ سے بریلی شریف میں دارالعلوم منظرِ اسلام میں تشریف لے گئے اور وہاں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی تعلیم لے کر سندِ حدیث حاصل کی۔ پھر بعد میں علم طب کے حصول کے لیے جامعہ طبّیہ، دہلی میں داخل ہو کر سند فراغت حاصل کی۔ سیّد فتح علی شاہ ۱۹۲۰ء میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ ۸۵؎

دینی خدمات

مولانا سیّد فتح علی شاہ صاحب عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ایک اچھے مقرر اور خطیب بھی تھے۔ مولانا کی تقاریر ایمان افروز ہوتی تھیں۔ آپ نے مختلف جید علمائے اکرام کے ساتھ مل کر تبلیغی پروگرام بنایا۔ ان علمائے کرام میں مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی (م۔۱۹۵۱ء)، مولانا ابو الیاس محمد امام الدین قادری کوٹلوی (م۔۱۳۸۱ھ)، حضرت علامہ محمد نور الحسن سیالکوٹی (م۔۱۹۵۵ء)، حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری (م۔ ۱۹۵۱ء) اور حضرت مفتی محمد عبد العزیز ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے۔۸۶ مولانا سیّد فتح علی شاہ نے سیالکوٹ کے علاوہ جموں و کشمیر کے علاقے میں بھی اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں اور لوگوں میں حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُجاگر کیا اور قریہ قریہ بستی بستی محافلِ میلاد کا انعقاد کرایا۔

مولانا سیّد فتح علی شاہ نے تقریباً ۴۰ سال تک جامع مسجد سیالکوٹ چھاؤنی میں خطابت کے فرائض انجام دیے۔ اس وقت کے مسلم جوانوں کے دلوں میں فلسفۂ جہاد کو اُجاگر کیا۔

سیاسی خدمات

مولانا موصوف نے بھی دیگر خلفا کی طرح تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ آپ سیاسی پلیٹ فارم سے بھی وابسطہ رہے اور ساتھ ہی ساتھ آل انڈیا سنی کانفرنس سے منسلک رہے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس (یوپی انڈیا) کے فقید المثال اجلاس میں شریک رہے اور علماءِ کرام کے ساتھ تحریک کے کام سرانجام دیتے رہے۔ مولانا موصوف کا اسم گرامی ان حضرات میں شامل ہے کہ جن کی کوشش اور کاوشوں سے تحریکِ پاکستان میں جان پڑی۔ تحریکِ پاکستان کے ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے مولانا نے قریہ قریہ بستی بستی نظریۂ پاکستان کی حمایت میں راہ ہموار کی۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مراد آباد میں حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں علما کا اجلاس ہوا۔ آپ علماءِ سیالکوٹ کے ساتھ اس عظیم الشان اجلاس میں شریک ہوئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد بھی آپ نے بہت کام کیا، جن میں ایک بڑا کام مہاجرین کی آبادکاری کا تھا۔ آپ نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ ۱۹۵۳ء کو تحریکِ ختم نبوت میں جوشِ ایمانی کا مظاہرہ کیا۔

۱۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار شریف کھروٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ میں مرجع خاص و عام ہے۔۸۷

مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ

آپ حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری کے فرزند اکبر تھے۔ (۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء) میں ریاست الور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔۸۸ آپ کے آباؤ اجداد مشہد کے سادات گھرانے سے تھے جہاں سے مغلیہ دور حکومت میں بسلسلہ تبلیغ اسلام ہندوستان آئے۔ اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان تشریف لائے وہ سید اسمٰعیل شاہ قادری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ آپ بڑے ہی باکرامات، صاحب علم اور پابندِ سنت تھے۔ آپ بلگرام فرخ آباد سے ہوتے ہوئے الور میں قیام پذیر ہوئے۔ انہی کے پرپوتے سید نثار علی شاہ اپنے زمانے کے مشہور عالم دین اور صاحب عرفان بزرگ گزرے ہیں۔

حضرت مولانا ابو الحسنات کی عمر ابھی پانچ سال کی ہی تھی کہ آپ کو مفتی زین الدین مرحوم کے درس میں داخل کرایا گیا جہاں حافظ عبد الحلیم، حافظ عبد الغفور سے حفظ قرآن کیا۔ حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ مرزا احمد بیگ مرحوم سے اردو فارسی کی کتبِ مروجہ کا مطالعہ کرتے رہے۔ قاری قادر بخش صاحب مرحوم الوری کے اسباق بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ انہی قاری صاحب کی نگرانی میں مولانا نے قرات و تجوید میں مہارت حاصل کی۔

۱۹۰۸ء میں آپ حفظِ قرآن، اردو و فارسی، انشاپردازی اور قرات اور تجوید میں خاصی دسترس حاصل کر چکے تھے۔ درس نظامی کے باقاعدہ طالب علم بنے۔ صرف و نحو اور دیگر فنی کتب دینیہ کا مطالعہ والد مکرم سے کیا۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ کی سائنسی ایجادات نے دنیا کو متاثر کیا۔ ہندوستان میں انگریزی حکمرانوں نے یورپ کی ایجادات سے ہندوستانیوں کو واقف کرنے کے لیے بڑے بڑے ادارے قائم کیے۔ نواب محمد یار خان صاحب مرحوم مولانا سید دیدار علی شاہ کے مخلصین میں تھے اور ان ایجادات میں خاصی دل چسپی لیتے تھے۔ چنانچہ مولانا ابو الحسنات ایسے ذہین دینی طالب علم نے آپ کی نگرانی میں وقت کی ایجادات میں واقفیت حاصل کرنے میں بڑی دل چسپی کا مظاہرہ کیا۔

آپ کے والد محترم آپ کو جتنی تیزی سے عالم دین دیکھنا چاہتے تھے اس کا اندازہ ہم اس بات سے لگاتے ہیں کہ مولانا ابو الحسنات نے پندرہ سال کی عمر میں جلالین ، تفسیر بیضادی، کتب احادیث ، منطق و اصول فقہ اور ادب عربی میں سبعہ معلقہ تک کی کتب پر عبور حاصل کر لیا۔

فقہی کتب کا علم حضرت مولانا حافظ محمد نعیم الدین مراد آبادی اور حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے حاصل کیا اور اسنادِ فضیلت حاصل کیں۔ ۸۹ علم طب آپ نے نواب حامی الدین احمد خان صاحب مراد آبادی سے سیکھا اور تکمیلِ قرات کے لیے رئیس القراء مولانا عین القضاء سے سند حاصل کی۔ ۹۰

دینی وسیاسی خدمات

آپ علوم دینیہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ الور کی مسجد تریولیہ ہندوؤں نے شہید کر دی۔ اس واقعے نے مسلمانانِ الور میں رنج و اضطراب کی لہر دوڑا دی۔ جواں سال ابو الحسنات کو مسجد کی ناموس نے پکارا اور ملکی سیاست میں کود پڑے۔ مسجد کی تعمیرِ نو اور بحالی کے لیے جدو جہد کرنے لگے اور زورِ خطابت سے مسلمانوں کے سینوں میں آگ لگا دی۔ سٹی پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا، مگر مسلمانوں کی منظم جدوجہد نے مہاراجہ الور کو مجبور کر دیا کہ مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دے اور پھر اسے سرکاری خرچ پر از سرِ نو تعمیر کرایا اور ابو الحسنات کو رہا کر دیا گیا۔ ۹۱

یاد رہے کہ اس زمانے میں ریاستی عوام کی زندگیاں اور مال و دولت والیِ ریاست کے رحم و کرم پر ہوا کرتی تھیں۔ ان کے کسی حکم یا فیصلے کے خلاف احتجاج بھی جرم تصور ہوتا تھا۔

چنانچہ اس وقت کے راجاؤں کے ریاستی جور و استبداد کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو ریاستی رعایا کو تو عام انسانی حقوق بھی حاصل نہ تھے۔ ایسے دور میں احتجاج کرنا یا ایک منظم تحریک سے ایک مقصد حاصل کر لینا بڑی بات ہے۔

لاہور میں آمد

۱۹۲۰ء میں آپ الور کو چھوڑ کر آگرہ میں قیام پذیر ہوئے اور ایک مطب گلاب خانہ آگرہ میں جاری کیا جو تھوڑے عرصے میں خدمت خلق کا ادارہ بن گیا۔ ۱۹۲۲ء میں آپ کے والد سید دیدار علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ آگرہ سے لاہور پہنچے اور مسجد وزیر خاں کے خطیب مقرر ہوئے تو مولانا ابو الحسنات ان دنوں ایک قاری، شعلہ بیان خطیب ، شاعر اور ماہر طبیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔

والد مکرم کے استعفاء کے بعد مرزا ظفر علی خاں ریٹائرڈ جج متولی مسجد وزیر خاں کے اصرار پر آپ مسجد وزیر خاں کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے۔

ان دنوں آپ اپنے خاندان سمیت لنڈا بازار کے ایک مکان میں قیام پزیر ہوئے کچھ عرصے کے بعد آپ وہاں سے اندرون یکی گیٹ ایک اچھے سے مکان میں منتقل ہوگئے۔ اسی زمانے میں دہلی دروازے کے اندر چنگڑ محلہ میں ایک ویران مسجد کی تعمیر و توسیع کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں آپ کے والد اور برادرِ محترم علامہ ابو البرکات دامت برکاتہ سے مل کر مسجد تعمیر اور دارالعلوم حزب الاحناف کی تشکیل میں حصہ لیا۔ یہ سنیوں کا عظیم دینی ادارہ تھا، جو نصف صدی تک سنیوں کے علوم وفنون کا مرکز بنا رہا۔ یہاں سے بے شمار حضرات علما، مفتی، مقرر، خطیب اور ادیب و مناظر بن کر نکلے اور دنیائے علم و فضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس دارالعلوم کے شاگرد موجودہ دینی درس گاہوں کے شیخ الحدیث اور شیخ الفقہ کہلا رہے ہیں۔

لاہور کی سیاسی فضا

۱۹۲۶ء سے لے کر قیام پاکستان تک لاہور سیاسی تحریکوں کا مرکز رہا اور اہل لاہور نے سیاسی قیادت پر ہمیشہ اچھے اثرات مرتب کیے۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں تھی جس تحریک کو اہل لاہور نے قبول کر لیا وہ سارے ہندوستان پر چھاگئی۔ یہ سیاسی تحریکیں اور دینی مباحث انگریز کے پھیلائے ہوئے خیالات اور غلامی کے خلاف ایک احتجاج تھا حضرت مولانا ابو الحسنات ان ایام میں لاہور میں مقیم تھے۔

ہر سیاسی اور دینی تحریک کا جائزہ لیتے اور پھر ان میں اپنا کردار ادا کرتے۔ کشمیر چلو کی مہم، مسجد شہید گنج کی تحریک، خاکسار تحریک، احرار کشمکش ، مجلس اتحاد، مولانا ظفر علی خاں کا دم مست قلندر دھر گرا، اور پھر تحریک آزادی ہند اور قیام پاکستان جیسی تحریکیں ابھرتی رہیں اور مولانا ہمیشہ حق کی آواز پر لبیک کہتے رہے۔ وہ بلا

خوفِ تنقید اپنے خیالات کا اظہار کرتے پاکستان بننے کے بعد قرار دادِ مقاصد، تحریکِ آزادیِ کشمیر اور پھر تحریکِ ختم نبوت میں مولانا موصوف مرکزی کردار کی حیثیت سے آگے بڑھے۔ علماو مشائخ کے علاوہ عوام الناس نے آپ سے پورا پورا تعاون کیا۔ نظریہ پاکستان کی تائید و حمایت میں لاہور کے وہ پہلے عالم دین ہیں جو بنارس سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء میں شریک ہوئے ۹۲ اور ایک تاریخی ریزولیوشن پاس کروا کے قائد اعظم کو یقین دلایا کہ برصغیر کی عظیم سنّی اکثریت مطالبۂ پاکستان میں آپ کے ساتھ ہے۔ آپ نے قیامِ پاکستان کی حمایت میں بڑی تن دہی سے کام کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ دیو بندی مکتبِ فکر کے علما جمعیتہ العلماء ہند اور کانگریس میں شمولیت کی وجہ سے گاندھی اور نہرو کی حمایت میں فتوے دیتے اور مسلمانوں کو اپنی علمی وجاہت سے مطالبۂ پاکستان سے روکتے تھے۔ ۹۳

مولوی شبیر احمد عثمانی کے علاوہ اس دور کا دیو بندی طبقہ مسلمانوں کی اس فکری تحریک سے دور رہا۔ بلکہ مسلمانوں کو دور کرتا رہا۔ مولانا ابو الحسنات اور دوسرے سنّی علمانے ان نام نہاد علما کا مقابلہ کیا اور عوام پر ثابت کر دیا کہ نیشنلسٹ علما مقامِ محمد ﷺ سے کتنے بے خبر ہیں۔ ۹۴

آپ نے تحریک قیام پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ علماو مشائخ کے وفد مرتب کیے۔ پنجاب کے ہر شہر، ہر قصبے کی طرف نکل پڑے۔ ساری سختی کے باوجود اپنی مہم میں مصروف رہے۔ آخر کار گرفتار کر لیے گئے۔ اس ملک کی آزادی اور قیام پاکستان کے لیے آپ نے قید و بند کی صعوبتوں کو لبیک کہا۔ یہ آپ کی جدو جہدِ آزادی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے شیوخ کے لاکھوں مرید اور ہزاروں تلامذہ مطالبۂ پاکستان کے حامی بن گئے۔ مسلم لیگ نواب زادوں کے محلات سے نکل کر عوام میں جا پہنچی۔ قائد اعظم نے مولانا کی کوششوں کو بڑا سراہا اور ایک خط میں مولانا کا شکریہ ادا کیا۔

جمعیتہ العلماء ہند اور جمعیتہ العلماء اسلام

ہندوستانی علماء کا ایک طبقہ مسلم لیگ کے نعرۂ پاکستان کی اس لیے مخالفت کر رہا تھا کہ ان کے رہنما کانگریس کے اراکین میں سے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا اثر علماءِ دیوبند پر تھا۔

مولوی حسین احمد مدنی کانگریس کے زیر اثر تھے دیو بند مکتبِ فکر کے سارے علما اپنے ان اماموں کو دیکھ کر مسلم لیگ کے مطالبے کے خلاف ہو گئے۔ مسلمان چونکہ فطرتاً مذہب پر جان دیتا ہے۔ اس نے علما کے ایک طبقے کو پاکستان کے خلاف پاکر بڑا ذہنی اضطراب محسوس کیا۔ چنانچہ ان دیو بندی علمانے "جمعیتہ العلماء ہند" کے نام سے ۱۹۱۹ء میں ایک سیاسی جماعت کو تشکیل دیا اور دو قومی نظریہ کے خلاف محاذ آرائی کرنے لگے۔ ۹۵ اسی جمعیت میں ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو کہ عقیدتاً دیوبندی نہ تھا اور پاکستان کا حامی تھا۔ انہوں نے جمعیتہ العلماء ہند کے خلاف آواز اٹھائی اور جمعیتہ العلماء ہند کے کانگریس سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک اور جمعیت کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ نظریہ پاکستان کے حامی دیو بند اور سنی علما جمعیتہ العلماء اسلام کے نام سے ۱۹۲۰ء میں ایک نئی سیاسی اور دینی جماعت کے پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تاکہ نظریاتی بنیادوں سے ہٹ کر صرف سیاسی اور پاکستان کے استحکام کے لیے کام کیا جائے۔ چنانچہ جمعیتہ العلماء اسلام نے ان لوگوں کو سہارا دیا جو علماء دیو بند کے سیاسی کردار سے مایوس ہو چکے تھے۔ اس جماعت میں علماءِ اہل سنت کے علاوہ علماءِ دیوبند بھی شریک ہو گئے۔ یہ علماءِ دیو بند دو قومی نظریہ کے حامی تھے مولوی حسین احمد مدنی، مولوی عبد الکلام آزاد اور مولوی سید الرحمٰن اور میاں محمد صاحبان کے احترام کے باوجود مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا احتشام الحق تھانوی جیسے بااثر علما، دیو بند جمعیتہ العلماء اسلام کے ستون بن گئے اور نظریہ پاکستان کی تائید کرنے لگے۔ یہ جماعت کچھ عرصے تک محض ابتدائی مراحل سے گزرتی رہی، مگر ۱۹۴۶ء میں اس تحریک نے ہر قصبہ اور ضلع میں شاخیں قائم کر لیں۔

جمعیتہ العلماء اسلام اور جمعیتہ العلماء پاکستان

دینی رنگ دینے کے لیے ملک کے علماءِ کرام نے جمعیتہ العلماء اسلام کی تشکیل کی تو مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے ہم فکر علما سے بد دل ہو کر تحریک پاکستان کے زبردست مبلغ بن گئے۔ علمانے انہیں صدر منتخب کر لیا چونکہ اس جمعیت میں دیو بندی علما کی اکثریت تھی، جن میں بیشتر حضرات جمعیتہ العلماء ہند اور کانگریس کے نظریات سے بڑے قریب تھے۔ اس لیے وہ علماءِ اہل سنت کو صحیح معنوں میں کام نہ کرنے دیتے۔ بعض حضرات نے تو یہاں تک تجویز پیش کی تھی کہ جمعیتہ العلماء اسلام کی دو شاخیں بنادی جائیں: ایک میں سنی اور دوسری میں

دیو بندی جمع ہو کر کام کریں۔ ایک شاخ کی صدارت مولانا ابو الحسنات کے سپرد کر دی جائے۔ اس طرح دیوبندیوں کا کھویا ہوا وقار بحال ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ قیامِ پاکستان سے چند ہفتے پیشتر جمعیۃ العلماء اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں ہوئی، جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے پاکستان کے حق میں زبردست تقریر کی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت مولانا ابوالحسنات نے کرنا تھی، مگر اہلِ سنت کے اکابر نے جن میں حزب الاحناف کے سرکردہ عناصر پیش پیش تھے آپ کو روک دیا اور ان علما سے مفاہمت اور تعاون سے منع کر دیا جو ابھی تک پاکستان کے خلاف زہر چکانی کر رہے ہیں۔ جمعیۃ العلماء اسلام سنی علما کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہی چنانچہ اس جمعیت کی نظامت کچھ عرصے کے لیے چودھری عبدالکریم لعل خان صاحب علامہ علاؤالدین صدیقی کے سپرد کر دی گئی۔ اسی دوران مولانا عثمانی صاحب تو دستور ساز اسمبلی میں چلے گئے اور جمعیۃ العلماء اسلام علمی اور سیاسی قوت بننے کے بجائے دیوبندی علما کا مجمع بن کر رہ گئی۔

مولانا عثمانی کے بعد جمعیۃ العلماء اسلام کا ایک اجلاس فیض باغ میں ہوا۔ لاہور کے مولوی مطیع الحق کی یہ کوشش تھی کہ علماءِ دیوبند پر خلافِ پاکستان کا جو الزام ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر مولانا ابوالحسنات کو صدر جمعیتہ منتخب کیا گیا اور اس طرح سنیوں کا اعتماد حاصل کرنے کی ایک اور کوشش کی گئی مگر چند روز گزرنے کے بعد دیوبندی عقیدے کے انتہا پسند علما نے ایک سنی عالم دین کی صدارت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ صدر کے تعاون سے دست کش ہو گئے باہمت مولانا ابو الحسنات اس بے روح ڈھانچے میں تازہ زندگی پہنچانے کی کوشش کرتے رہے مگر ناکام ہو گئے۔ چنانچہ مستعفی ہو کر جمعیت کو ان لوگوں کی ثواب دید پر چھوڑ دیا جو اسے اپنے مقاصد کے لیے چلانا چاہتے تھے۔

واضح رہے کہ مورخین نے مولانا ابوالحسنات کی ایک اہم ملی خدمت کو نظر انداز کرتے ہوئے تحریر نہیں کیا اور وہ یہ ہے کہ ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی میں جو قراردادِ مقاصد پیش کی گئی تھی اس میں مولانا کی مساعی کا بڑا حصہ تھا۔ آپ نے عوام و خواص کے دلوں پر یہ بات نقش کر دی کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسلام اور صرف اسلام کے نام پر کیا ہے؛ لہٰذا پاکستان کا دستور بھی اسلامی بنیاد پر ہونا چاہیے۔

۴ مارچ ۱۹۴۱ء کو مولانا احمد سعید شاہ کاظمی ناظم انوار العلوم ملتان (شیخ الحدیث جامعہ پنجاب، بہاول پور) نے مولانا ابوالحسنات کو ایک مفصل خط لکھا اور اہل سنت و جماعت کی بے نظم زندگی پر بڑا دردمندانہ اظہار خیال کیا اور حضرت کو آمادہ کیا کہ ہم مل کر کام کریں۔ اس خط کے بعد ۲۸،۲۷،۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو ملتان میں پاکستان بھر کے سنّی علما کی عظیم الشان کانفرنس بلائی گئی۔ اس کانفرنس میں ملک بھر کے سنّی علما نے جمعیتہ العلماء پاکستان کی بنیاد رکھی اور مولانا ابوالحسنات کو پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ ۹۶

مولانا نے جمعیت کی صدارت سنبھالتے ہی تمام ملک کا زبردست دورہ کیا۔ ہر ضلع میں ناظم مقرر کیے گئے۔ ہر قصبے میں شاخیں قائم کیں اور اس طرح سنیوں کی تنظیم کا کام شروع ہوا۔ مجلس عاملہ نے محسوس کیا کہ جب تک مشائخ کی امداد و تعاون حاصل نہ ہو گا اس وقت تک کام صحیح خطوط پر نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ جمعیۃ المشائخ کی تشکیل کی گئی۔ ۷ مئی ۱۹۴۷ء کو ملک کے مقتدر مشائخ اور سجادہ نشینانِ پاکستان کا ایک اجتماع لاہور میں بلایا گیا۔ اس اجتماع میں نہ صرف مشائخ نے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی، بلکہ "یومِ شریعت" منا کر حکومتِ پاکستان کو ملک میں اسلامی قوانین کے مفاد پر زور دیا گیا۔ اور ساتھ ہی علما و مشائخ کو یک جا ہو کر کام کرنے کا اعلان کیا۔ حضرت مولانا ابوالحسنات تاحیات جمعیۃ العلماء پاکستان کے صدر رہے۔ اسی دوران آپ نے تحریکِ آزادیِ کشمیر میں بڑا کام کیا اور آپ نے اس سلسلے میں علما و مشائخ کی مدد سے نظریۂ پاکستان اور جہادِ کشمیر کے لیے عوام کو جمع کیا۔

اہلِ سنّت کی بد قسمتی ہے کہ جمعیۃ العلماء پاکستان بھی چند روز کام کرنے کے بعد سنی اکابر کی بے حسی کا شکار ہوتی گئی اور وہ ساری کوششیں ناکام ہو گئیں۔

ان تکلیف دہ حالات سے ہر فعال تنظیموں کو دوچار ہونا پڑتا ہے تاکہ مقاصد کے حصول میں کوئی راہ نکل آئے اور بالآخر ۱۹۷۰ء میں تمام علما و مشائخ کرام ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب میں جمع ہوئے اور حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی علیہ رحمتہ کی صدارت میں جمعیۃ العلماء

پاکستان کی تشکیل نو میں کامیاب ہوگئے اور جمعیت کو ملک کی ایک مرکزی قیادت حاصل ہوگئی۔

وفات

آپ کی وفات ۷ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۶۱ء میں لاہور میں ہوئی۔۹۷ اور آپ کا مزار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری﷫ کے مزارِ اقدس کے ساتھ بائیں ہاتھ پر تقریباً ۳۰ فٹ کے فاصلے پر واقع ہے۔

مولانا عبد الاحد ابن حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد الاحد ابن شاہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ پیلی بھیت ۱۸۸۳ء بمطابق ۱۲۹۸ھ میں پیلی بھیت (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولوی عبد اللطیف سورتی رحمۃ اللہ علیہ ۹۸ (المتوفی ۱۳۳۶ھ) سے حاصل کی اور بعد میں اپنے والد حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کی اور تیرہ برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خاں کی خدمت میں پہنچے، جہاں آپ نے باقاعدہ اعلیٰ حضرت سے دورۂ حدیث کیا اور اعلیٰ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کی دستار بندی کی۔ علوم دینیہ سے فراغت پانے کے بعد آپ لکھنؤ پہنچے اور اپنے والد کے استاد حکیم عبد العزیز سے تکمیل الطب کالج میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو اعلیٰ حضرت سے سلسلۂ قادریہ میں اجازت و خلافت بھی حاصل تھی؛ جب کہ آپ اپنے والد ماجد مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے سلسلے میں بھی بیعت کرنے کے مجاز تھے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ نے کچھ عرصہ لکھیم پور میں طبابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر اپنے والد کے حکم پر مدرسۂ حنفیہ پٹنہ میں مدرس ہوکر پٹنہ چلے گئے، جہاں کئی سال آپ کا چشمۂ علم فیض رساں جاری رہا۔ مولانا عبد الاحد کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بے پناہ عقیدت تھی۔ چنانچہ آپ اپنے والد کی ہمراہی میں اکثر گنج مراد آباد تشریف لے جاتے۔ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی کے وصال کے بعد بھی آپ شاہ صاحب کے فرزند مولانا احمد میاں گنج مراد آبادی اور خلیفہ مولانا عبد الکریم گنج مراد آبادی کی خدمت میں برابر حاضری دیتے رہتے تھے۔ ۱۳۲۳ء میں آپ کی شادی حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی کی نواسی اور مولانا عبد الکریم کی بڑی صاحبزادی محترمہ حمیدہ خاتون سے ہوئی جو علم و فضل میں یکتا اور صاحب سلسلہ خاتون تھیں۔ علامہ محمود احمد قادری نے مولانا عبد الاحد کی شادی کا مفصل احوال تحریر کیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ''فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت بھی اس شادی میں شرکت کے لیے باراتیوں کے ہمراہ گنج مراد آباد تشریف لے گئے تھے۔ جب بارات رخصت ہوکر اس زمانے کے ریلوے اسٹیشن مادھو گنج جانے کے لیے روانہ ہوئی تو اسٹیشن پہنچنے سے قبل مغرب کا وقت ہوگیا۔ جنگل کا راستہ تھا اور قریب کا گاؤں ڈاکوؤں کی بستی مشہور تھی۔ اسی گاؤں کے ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ ڈاکو آرہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اللہ اور اس کا محبوب ہماری مدد فرمائے گا۔ کچھ دیر بعد ڈاکوؤں کا گروہ آتا ہوا دکھائی دیا اعلیٰ حضرت پیش قدمی کر کے اُن کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا کہ ہم تمھارے علاقے کے بزرگ حضرت شاہ فضل رحمان کی نواسی بیاہ کر لیے جارہے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں تم ہم کو لوٹنا مناسب سمجھتے ہو؟ آپ کے اس طرزِ تخاطب کا ڈاکوؤں پر گہرا اثر ہوا اور وہ نہ صرف اپنے ارادے سے باز آگئے، بلکہ تائب بھی ہوئے اور داخلِ سلسلہ ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔۹۹

مولانا عبد الاحد کو فنِ خطابت میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آواز نہایت پاٹ دار اور ایسی تھی کہ گھنٹوں ماحول میں گونج برقرار رہتی تھی۔ سیرت النبی ﷺ اور فضائل صحابہ کے بیان پر خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ تقریر کے دوران اکثر رقت طاری ہوجاتی اور وجد کے عالم میں درود وسلام پڑھنے لگتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نوعمری ہی میں آپ کے مواعظِ حسنہ کی پورے برصغیر میں شہرت ہوگئی۔ آپ کے مواعظ کی اثر پزیری سے متاثر ہوکر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے بریلی میں ایک خصوصی تقریب کے دوران آپ کو ''سلطان الواعظین'' کا خطاب عطا فرمایا اور اپنی طویل نظم ''الاستمداد'' میں ایک شعر رقم فرمایا کہ

ایک اک وعظِ عبد الاحد پر
کتنے نتھنے بُھلاتے یہ ہیں ۱۰۰

مولانا غلام مہر علی گولڑوی نے مولانا وصی احمد محدث سورتی کا ذکر خیر کرتے ہوئے ایک مقام پر مولانا عبد الاحد کے بارے میں لکھا

ہے کہ واشہرت مواعظہ فی الکناف الھند (آپ کے مواعظ کی شہرت ہندوستان کے اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی تھی)۔۱۰۱؎

سیاسی خدمات

سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد کے رگ و پے میں جذبۂ حریت موجزن تھا۔ آپ آزادیٔ وطن کے ول دادہ اور انگریزوں کی فریب کارانہ چالوں کے شدید مخالف تھے اور برصغیر میں پروان چڑھنے والی تحریکوں میں حتی المقدور حصہ لیتے تھے۔ ندوۃ العلما میں غیر مقلدین کی شرکت کے خلاف اپنے والد ماجد کی طرح آپ نے بھی مؤثر جدو جہد کی اور ندوہ کے مفاسد کو عوام پر واضح کرنے کے لیے مختلف شہروں کے دورے کیے۔ اور مسلمانوں کو اس ادارے کی تائید و تعاون سے باز رکھا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۱۳ء کو کانپور کے مچھلی بازار میں ایک سڑک کی تعمیر کے نتیجے میں اس بازار کی ایک مسجد کا کچھ حصہ شہید کر دیا گیا۔ حکومت کی اس حرکت سے پورے ہندوستان میں اشتعال پھیل گیا اور اضطراب و بے چینی نے اس قدر زور پکڑا کہ ۳ اگست کو مسلمانوں نے مسجد میں جمع ہو کر مسجد کی از سرِ نو تعمیر شروع کر دی۔

اس کاروائی کو روکنے کے لیے مقامی انتظامیہ نے پولیس طلب کی، جس نے مجمع پر گولی چلادی۔ تقریباً چھ سو راؤنڈ کارتوس استعمال کیے گئے۔ اس فائرنگ سے ۱۶ مسلمان شہید اور ۳۰ زخمی ہوئے۔ اس واقعے کی پورے ہندوستان میں شدید مذمت کی گئی۔ مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی بھی اس موقع پر کانپور پہنچ گئے اور اپنے خالہ زاد بھائی مولانا نثار احمد کانپوری کے ہمراہ حکومت کے خلاف احتجاج میں بھرپور حصہ لینے کی بنا پر تقریباً چھ ماہ قید وبند کی صعوبت برداشت کی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی اس صورت حال کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔

تحریک خلافت میں کردار

۷ جولائی ۱۹۲۰ء کو جب کانگریس اور خلافت کمیٹی نے مشترکہ طور پر انگریزوں کے خلاف ترکِ موالات کی تحریک کا آغاز کیا تو دو قومی نظریہ کے حامی علماءِ دین اس بدعت کو روکنے کے لیے میدانِ عمل میں کود پڑے۔

انہوں نے ہندوؤں سے اتحاد کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ انگریز اور ہندو دونوں مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک دشمن کو سینے سے لگایا جائے اور دوسرے دشمن کا مقاطعہ کیا جائے۔ اعلیٰ حضرت کے موقف کو آگے بڑھانے اور اسے مسلمانوں سے روشناس کرانے کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت کے خلفا اور علماءِ اہلسنت نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ مولانا عبد الاحد نے، جو ہندوستان کی سیاست کو اسلامی شریعت کا لباسِ فاخرہ عطا کرنے کی فکر میں منہمک تھے، تحریکِ ترکِ موالات کے خلاف سرگرم عمل ہوگئے اور پورے ہندوستان کا دورہ کر کے مسلمانوں کو ترکِ موالات کی شرعی حیثیت اور اس کے دور رس نقصانات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں ہندو مسلم اتحاد کی نفی کی اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اس سلسلے میں قرآنی احکامات کی پابندی کریں۔ خصوصاً روہیل کھنڈ میں اس تحریک کے خلاف آپ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس ضمن میں اعلیٰ حضرت کے ایک معتمدِ خاص مولوی شفقت حسین وکیل بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں، جنہوں نے مولانا عبد الاحد کے ہمراہ اس سلسلے میں مختلف شہروں کے دورے کیے اور مولانا محمد علی جوہر کی ترکِ موالات کے ضمن میں ناعاقبت اندیشی کا پردہ چاک کیا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ ۱۹۲۰ء کے اواخر میں تحریک خلافت کا ایک وفد ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کے لیے جب روہیل کھنڈ پہنچا تو اس نے پیلی بھیت میں مولانا عبد الاحد سے بھی ملاقات کی۔ اس وفد کی قیادت امرتسر کے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کر رہے تھے اور اس میں مولانا نثار احمد کانپوری (المتوفی ۱۳۵۷ھ، ۱۹۳۸ء) بھی شامل تھے۔ مولانا عبد الاحد نے وفد سے تقریباً چار گھنٹے مذاکرات کیے اور آخر وقت تک ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کرتے رہے۔۱۰۲؎

مولانا عبد الاحد کا یہ خیال اتنا مستحکم تھا کہ رہنمایانِ خلافت کو تحریکِ ترکِ موالات سے دست کش ہونا پڑا اور انہوں نے برادرانِ وطن سے ہٹ کر مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم قائم کرنے پر توجہ دی اور یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ کفر و اسلام دو متضاد نظریے ہیں اور ان کے متبع کبھی متحد نہیں ہوسکتے۔ تحریکِ خلافت کے رہنما مولانا نثار احمد کانپوری آپ کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے، لیکن جب انہوں نے ترکِ موالات میں حصہ لیا تو آپ نے اُن کی ہر مرحلے پر گرفت کی۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ کانپور کے ایک جلسے میں مولانا

نثار احمد کانپوری ہندو مسلم اتحاد کے عنوان پر تقریر کر کے بیٹھے تھے کہ سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد نے اسی اسٹیج سے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف دھواں دار تقریر شروع کر دی۔ مولانا نثار احمد خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ آخر مجمع میں سے ایک شخص نے آواز اٹھائی تو مولانا کانپوری نے اسے خاموش کر دیا۔۱۰۳

۱۳۳۳ھ میں مولانا عبد الاحد نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی معیت میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت میں ہے کہ علماءِ حرمین شریفین سے اعلیٰ حضرت کی ملاقات کے دوران آپ ہمیشہ ساتھ رہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ میں جب حضرت مولانا شیخ صالح کمال سبق قاضی مکہ و مفتی حنفیہ کی خدمت میں گیا تو حضرت مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عزیزی مولوی عبد الاحد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ اس سفر میں مولانا عبد الاحد نے حضرت کبیر العلما مولانا شیخ احمد ابو الخیر مرداد کو چند احادیث سنا کر سندِ حدیث حاصل کی۔

۱۹۳۴ء میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دینے لگے اور یہ سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔ مولانا حکیم قاری احمد کی قلمی یاداشتوں سے پتا چلتا ہے کہ سلطان الواعظین ۱۹۳۱ء کے اواخر میں شدید بیمار ہوئے۔ ابتداءً پیلی بھیت میں حکیم عبد الجبار خان کے مشورے سے خود ہی اپنا علاج کرتے رہے، لیکن مرض روز بروز شدت اختیار کرتا گیا۔ چنانچہ اپنے صاحبزادے مولانا حکیم قاری احمد کے ہمراہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ تقریباً ایک سال علاج جاری رہا، لیکن نقاہت اور کمزوری دور نہ ہوئی اور آپ نے ۱۳ شعبان ۱۳۵۲ھ بمطابق یکم دسمبر ۱۹۳۳ء بروز جمعہ عصر اور مغرب کے درمیان داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا حکیم قاری احمد کا بیان ہے کہ عصر کے وقت سلطان الواعظین نے فرمایا نیچے کا جسم پاک کر دو اور کپڑے تبدیل کرا دو میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اشارے سے نمازِ عصر ادا کی۔ پھر فرمایا کیا دن ہے؟ میں نے عرض کیا جمعہ کا دن ہے۔ فرمانے لگے بہت مبارک ساعت اور دن ہے۔ اس کے بعد سیدھی کروٹ لیٹ کر سیدھا ہاتھ کنپٹی کے نیچے رکھا اور فرمایا: پیر و مرشد اعلیٰ حضرت کا وصال بھی جمعہ کے دن ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموش لیٹے میری طرف دیکھتے رہے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ میں نے بڑی زحمت دی اور اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر اجر دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر زیرِ لب کچھ پڑھا اور جب آواز تیز ہوئی تو آپ کی زبانِ مبارک پر ''محمد رسول اللہ'' تھا۔ آپ کے انتقال کی خبر پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ کانپور سے اعزا کی آمد کے بعد آپ کی میت حسبِ وصیت گنج مراد آباد لے جائی گئی، جہاں دوسرے دن بعدِ نمازِ عصر اپنے خسر مولانا عبد الکریم مراد آبادی کے پہلو میں سپردِ خاک کیے گئے۔ حافظ محمد احسن خلف مولانا احمد حسن نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

امرتسر کے اخبار الفقیہہ کے مطابق بریلی کی مسجد بی بی جی میں ۱۵ شعبان ۱۳۵۲ھ کو ایک تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں مختلف بلاد و امصار کے علما نے خطاب کیا اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی نے مغفرت کے لیے دعا فرمائی۔

سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد قادری پیلی بھیتی نے تین فرزند یادگار چھوڑے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا شاہ فضل الصمد مانا میاں، مولانا فضل احمد صوفی اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی۔ تینوں بھائیوں نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بالخصوص حضرت مولانا قاری احمد پیلی بھیتی کے حوالے سے جناب خواجہ رضی حیدر ڈائریکٹر قائد اعظم اکیڈمی کراچی ''تذکرۂ محدثِ سورتی'' میں تحریر فرماتے ہیں:۱۰۴

آپ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ سلطان الواعظین رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی اپنے برادرِ بزرگ مولانا فضل احمد صوفی کے ساتھ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۱۱ء بروز بدھ اپنے ننھیال گنج مراد آباد میں جڑواں پیدا ہوئے۔ حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ نیز اس موقع پر گنج مراد آباد میں موجود تھے، اپنے پیر و مرشد کی نسبت سے فضل محمد نام رکھا اور حلق سے رونے کی بنا پر قاری کہہ کر مخاطب کیا۔ ابتدائی تعلیم جس میں قرآن حکیم کا ناظرہ اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتب شامل تھیں۔ مولانا عبد الحی پیلی بھیتی خلف الرشید مولانا عبد اللطیف سورتی اور ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی سے حاصل کی۔ ۱۸ برس کی عمر تک بہت معمولی سی عربی، فارسی اور اردو پڑھی۔ آنکھیں اس وقت کھلیں جب

والد گرامی مولانا عبدالاحد کا انتقال ہوا۔ آخر میں ایک عرصے تک ملیریا میں مبتلا رہنے کی وجہ سے مجھے دق کی سی شکایت پیدا ہوگئی تھی چنانچہ والد صاحب نے علاج و معالج سے مایوس ہو کر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو میری بیماری کی تفصیلات تحریر کیں۔ حضرت پیر صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بچے کو میرے پاس بھیج دیجیے کچھ دن یہاں قیام کے بعد ان شاء اللہ صحت یاب ہو جائے گا۔ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر عنایات کے دروازے کھول دیے تھے۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک پر مجھے بیعت کیا اور فرمایا کہ قاری غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآت سیکھیے اور مولانا غازی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی کتابیں پڑھیں۔ چنانچہ چار ماہ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد پیلی بھیت لوٹ آیا۔ والد صاحب بواسیر کے دائمی مریض تھے اور ان دنوں مرض میں اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ آپ کی تیمارداری میں لگ گیا اور یہ سلسلہ ۱۹۳۶ء میں طبیہ کالج لکھنؤ سے حکمت کی سند حاصل کرنے تک جاری رہا۔ مولانا حکیم قاری احمد کی زندگی بھی ایک جہدِ مسلسل سے تعبیر ہے۔ انہوں نے جہاں اپنی تحریروں میں کم علمی اور کم سنی میں علم سے اپنی بے رغبتی کا ایک سچے انسان کی طرح اعتراف کیا ہے، وہاں ان کی تحریروں میں جوئے شیر لانے کا عمل بھی جھلکتا ہے۔ علما کی عزت اور بزرگوں کا احترام آپ کا دائمی مشغلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں متقدمین کی سی مزاجی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک طبیب کی حیثیت سے کیا اور پھر آپ کی شخصیت مختلف کاموں میں بٹتی چلی گئی، لیکن طبابت کا سلسلہ تادمِ آخر جاری رہا۔ مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت واپسی پر حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تبلیغی مشن کی تجدید کی جو سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کسی حد تک ختم ہوگیا تھا۔ آپ نے پیلی بھیت میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریبات کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا اور ان میں شرکت کے لیے مقتدر علما کو دعوت دی۔ اہلِ ندوہ اور غیر مقلدین نے پورے ملک میں سیرت کمیٹیوں کے نام سے تنظیمیں قائم کیں، جن کا مقصد محفلِ میلاد کو ختم کرنا اور سلام و درود کے سلسلے کو روکنا تھا۔ پیلی بھیت کے سادہ لوح عوام بھی اس دام ہمرنگ زمین کا شکار ہوگئے تھے اور ایک سیرت کمیٹی نے یہاں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۷ء میں سیرت کمیٹی کے شائع کردہ لٹریچر کی چند عبارتوں پر علمائے اہلِ سنت سے فتویٰ طلب کیا، جس کا جواب مولانا حشمت علی خاں لکھنوی نے تفصیلاً دیا اور اس کی تصدیق مولانا نعیم الدین مراد آبادی، ابوالمساکین مولانا عبدالحق پیلی بھیتی نے فرمائی۔ یہ فتویٰ ایک رسالے کی صورت میں اہلِ سنت برقی پریس سے مراد آباد سے طبع ہوا۔[105]

مولانا حکیم قاری احمد کی خانقاہِ رضویہ بریلی سے عقیدت کا حال یہ تھا کہ آپ ہر سال اعلیٰ حضرت کے عرس میں تشریف لے جاتے اور تقریر فرماتے۔ اپنی یادداشتوں میں مولانا تقدس علی خاں کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے عرس کے موقع پر میرے بعد مولانا حشمت علی خان تقریر کرنے والے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کہا کہ اب مولانا حشمت علی خاں آپ سے خطاب فرمائیں گے، جن کے سامنے میں مچھر کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ مولانا حشمت علی خاں نے تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہی فرمایا کہ قاری صاحب نے خود کو مچھر کہہ کر مجھے نمرود بنا دیا، جس پر لوگ بہت ہنسے۔ یہ واقعہ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا تقدس علی خاں نے ایک ملاقات میں مولانا کو یاد دلایا، جسے بعد میں مولانا نے اپنی یادداشتوں میں قلم بند کیا۔ مولانا قاری احمد اپنے والد کی طرح دو قومی نظریہ کے علمبردار تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء کے بعد مسلم لیگ کی تنظیم نو میں آپ نے ایک کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا اور بہت جلد روہیل کھنڈ خصوصاً پیلی بھیت اور اس کی تحصیلوں میں مسلم لیگ کو ایک مستحکم جماعت کا روپ دے دیا۔ آپ کو شعلہ بیانی اپنے والد سے ورثے میں ملی تھی۔ چنانچہ مسلم لیگ کے اجلاسوں میں آپ ایک کامیاب مقرر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ بریلی، بدایوں، رامپور، شاہجہاں پور وغیرہ میں آپ کی تقاریر کا بہت شہرہ تھا۔ ۱۹۳۸ء میں پیلی بھیت کے سید بشارت علی کی صاحبزادی سیدہ خاتون سے آپ کا عقد ہوا۔ نکاح مولانا فضل حق رحمانی نے پڑھایا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں پیلی بھیت سٹی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو علی گڑھ سے واپسی پر جب قائد اعظم محمد علی جناح بریلی تشریف لائے تو مولانا صدہا کارکنوں کا ایک جلوس لے کر پیلی بھیت سے بریلی پہنچے اور قائد کے پرجوش استقبال میں حصہ

لیا۔ قائد اعظم کی بریلی آمد کی تفصیلات مولانا نے اپنی کتاب تاریخ ہندو پاک میں درج کی ہیں۔۱۰۶؎ ۱۹۳۹ء کے اواخر میں کانگریس کی وزارتوں کے خاتمے پر مسلمانانِ ہند نے قائد اعظم کی اپیل پر نہایت جوش و خروش سے یومِ نجات منایا۔ اس موقع پر مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے جلسہ کیا اور جلوس نکالا، جس کے نتیجے میں مقامی انتظامیہ نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ اس اقدام سے پیلی بھیت کے شہریوں میں اشتعال پھیل گیا اور پورے شہر میں بے چینی اور اضطراب کی ایسی فضا پیدا ہوئی کہ تیسرے دن ہی مولانا کو رہا کر دیا گیا۔ اس وقت پیلی بھیت میں مسلم لیگ کے سرکردہ رہنماؤں میں ڈاکٹر عبد الغفور، عظمت حسین وکیل اور فضل الرشید وکیل خاصی شہرت کے حامل تھے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار دادِ پاکستان کی منظوری کے بعد جب آل انڈیا سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی تو پورے ہندوستان میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ عوامِ اہلِ سنّت نے دل کھول کر مسلم لیگ سے تعاون شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کا روپ دھار گئی۔ پیلی بھیت میں علماءِ اہلِ سنّت کا ایک طبقہ، جس کی رہنمائی مولانا حشمت علی خان کر رہے تھے، مسلم لیگ سے بد ظن تھا، لیکن اس کے باوجود ۱۹۴۵ء کے انتخابات کے موقع پر علماءِ اہلِ سنّت نے مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کے سلسلے میں متفقہ فتویٰ دیا اور مخالف علما کی طرف سے اس کے خلاف فتویٰ دیا گیا تو نازک صورت اختیار کر گئی اور مولانا قاری احمد کی کوشش سے مولانا حشمت علی خاں سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔ پیلی بھیت میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ اور شاہ مانا میاں قادری / چشتی پیلی بھیتی کو صدر منتخب کیا گیا؛ جب کہ مولانا حکیم قاری احمد کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ پیلی بھیت میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا قیام مسلم لیگ کی ایک بڑی کامیابی تھی، جس کا تمام تر سہرا مولانا کے سر تھا۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بنارس میں مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت سے ایک قافلے کی شکل میں شرکت کی اور ۱۹۴۷ء میں سنی کانفرنس پیلی بھیت کے انتخابات بھی عمل میں آئے، جس میں بھاری اکثریت سے مولانا حکیم قاری احمد کو صدر اور مولانا حبیب احمد قادری کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔۱۰۷؎

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا قاری احمد نے پیلی بھیت کے مسلمانوں کی مجموعی حالت کے پیشِ نظر ترکِ وطن کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی دست برد سے بچانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ آپ اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ "پاکستان بن تو گیا مگر ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی زبردست خطرے میں پڑ گئی۔ مار پیٹ اور بلوے پہلے سے زیادہ ہونے لگے۔ ہر طرف مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ پہلے تو فوج اور پولیس مداخلت بھی کرتی تھی، مگر پاکستان بننے کے بعد تو فوج و پولیس کی مدد بھی ہندو بلوائیوں کو حاصل ہو گئی۔ پاکستان چلو / یہ تھا وہ نعرہ جو تقسیمِ ہند کے بعد ہر طرف سنا جا رہا تھا۔ مسلمان بہت پریشان تھے۔ اپنی جائیداد اور اسباب سب کچھ لٹا کر ہجرت کر رہے تھے۔ اس لیے نہیں کہ ہندوؤں کا خوف غالب تھا اور مرنے سے ڈرتے تھے بلکہ ہندو اکثریت کے مظالم، طعنوں اور تنگ نظری نے پاؤں اکھاڑ دیے تھے۔ تھوڑے ہی دن بعد گاندھی کے قتل نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مسلمانوں پر حملے شدید ہو گئے۔ انہی ایام میں مجھے کانپور، لکھنو، الہ آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ ہر طرف مسلمان سہمے ہوئے تھے۔ ٹرین میں ہندو مسلم ڈبے علیحدہ ہو گئے تھے۔ کوئی مسلمان اگر ہندوؤں کے ڈبے میں چلا جاتا تو اس قدر پریشان کیا جاتا کہ ڈبے سے اترنا پڑتا۔ انہی دنوں برادرِ بزرگ فضل احمد صوفی کا کراچی سے خط آیا کہ ان کی طبیعت سخت خراب ہے۔

چنانچہ فوری طور پر کراچی آنے کی تیاری شروع کر دی۔ آخر جولائی ۱۹۴۸ء میں بیوی اور بچوں کو لے کر پیلی بھیت سے آگرہ ہوتا ہوا بمبئی پہنچا۔ آگرہ میں ہندو خونچہ والے تک مسلمانوں کو سودا دینے سے منع کر دیتے تھے۔ میں نے ایک خونچہ والے سے سودا طلب کیا تو کہنے لگا دور ہٹ کر کھڑے ہو ورنہ یہیں قبرستان بن جائے گا۔ بمبئی کے مسافر خانے میں تین دن قیام کے بعد بذریعہ بحری جہاز کراچی پہنچ گیا، مگر صوفی صاحب کی حالت بہت خراب تھی چار ماہ مستقل علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہ ہو سکے اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔"

مولانا فضل احمد صوفی کے وصال کے بعد مولانا حکیم قاری احمد

پیلی بھیت واپس نہ جاسکے کیونکہ مسلم لیگ سے وابستگی اور قیام پاکستان کے لیے سر توڑ جدوجہد کی بناپر پیلی بھیت کے ہندوان کے شدید مخالف ہوگئے تھے۔ یوں بھی پیلی بھیت سے فسادات کی اطلاعات آرہی تھیں پھر مولانا فضل احمد صوفی کے پسماندگان کی نگہداشت کا مسئلہ بھی سامنے تھا۔ اس لیے انہوں نے پاکستان میں ہی مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا۔ آبادی در و دیوار اور موروثی وجاہتوں کو ترک کرکے اجنبی شہر میں از سرِ نو زندگی گزارنے کا فیصلہ ہر چند بڑا جاں گسل تھا، لیکن اسے قبول کرنا پڑا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیت کو ابتدا میں شدید ترین معاشی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا اور تقریباً دو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد روزگار کا مسئلہ حل ہوا۔ اس عرصے میں مولانا نے اشاعتِ اسوۂ رسول کے لیے قرطاس و قلم کو اپنا لیا اور اسلامی موضوعات پر متعدد بصیرت افروز مضامین تحریر کیے، جو روزنامہ جنگ، روزنامہ انجام، روزنامہ مسلمان اور نئی روشنی میں شائع ہوتے رہے۔ اس دوران آپ کی ملاقات مولانا عبدالحامد بدایونی سے ہوگئی اور آپ نے جمعیت علمائے پاکستان کی سرگرمیوں میں پر جوش حصہ لینا شروع کردیا۔ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں جمعیت کے مبصّر کی حیثیت سے شریک ہوئے اور قراردادِ مقاصد کی تائید کی۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی سے نکلنے والے ایک مذہبی ماہنامہ الاسلام کے نائب مدیر مقرر ہوئے اور مذہبی و تاریخی موضوعات پر متعدد مضامین قلمبند کیے۔ ان مضامین کے تراشوں پر مشتمل ایک فائل راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے، جس میں "اسلامی عدالتوں کی ایک جھلک"، "آنحضرت ﷺ کی خطابت و فصاحت"، "آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک"، "اسلام میں طبقاتی جنگ کے پہلے علمبردار حضرت ابو ذر غفاری"، "اسلام کا نظامِ صنعت و تجارت"، "امام ابو یوسف کی اقتصادی اور تمدنی اصلاحات" کے عنوان سے طویل مطبوعہ مقالے موجود ہیں۔

جمعیت علمائے پاکستان سے وابستگی اور مولانا عبدالحامد بدایونی سے برادرانہ مراسم کی بنیاد پر مولانا حکیم قاری احمد کی سیاسی حیثیت کسی حد تک بحال ہونے لگی، لیکن ابھی معاش کا مسئلہ مستقل طور پر حل نہیں ہوا تھا، اس لیے آپ نے اپنی رہائش گاہ واقع کھارادر میں "سورتی دواخانہ" کے نام سے مطب کا آغاز کیا، مگر گوں ناگوں مصروفیات کی بناپر طبابت کی طرف پوری طرح توجہ نہ دے سکے اور تحریر و تقریر کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی تبلیغ میں منہمک رہے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور "مشاہداتِ حرمین" کے نام سے اپنا سفر نامۂ حج تحریر کیا جو کراچی سے شائع ہوا تھا اس سفر نامے پر مولانا عبدالحامد بدایونی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا کہ "یہ سفر نامہ ایک زائر حرم اور عاشق بارگاہ رسالت کے محض خیالات و مشاہدات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ یہ حضرات صحابہ، حضرات اہلِ بیت و ازواجِ مطہرات اور حرمین شریفین کے تاریخی حالات اور متبرک مقامات مقابر و مساجد کی وہ کیفیت بھی پیش کرتا ہے جس سے ہر زائر حرم میں مطالعہ اور مشاہدہ کا شوق بڑھتا ہے۔ سفر نامے میری نظر سے بکثرت گذرے ہیں، لیکن حکیم قاری احمد پیلی بھیت کا یہ سفر نامہ حقیقتاً ایک ایسا مجموعہ ہے جو زائرین و حجاج کے لیے صحیح معنٰی میں مشیر الحج ہوسکتا ہے۔[۱۰۸]

مولانا کے اس سفر نامے کو عوام و خواص دونوں میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہر چند مولانا کی یہ پہلی تصنیف تھی، لیکن اظہار و بیان پر بے پناہ قدرت کی بناپر علمی حلقوں میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اس مرحلے پر مولانا کو علما کے ایک حریص گروہ کی جانب سے شدید ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بظاہر اس کی ایک وجہ مولانا حکیم قاری احمد کی عوام و خواص میں یکساں مقبولیت تھی تو دوسری طرف وہ اعتماد تھا جس کا اظہار مولانا بدایونی علی الاعلان فرمایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے مولانا قاری احمد کو جمعیت علماء پاکستان صوبہ سندھ کا نائب صدر مقرر کیا۔ اور جمعیت کی تبلیغی کانفرنسوں میں نمایاں حیثیت دی۔ جمعیت علمائے پاکستان کے زیر اہتمام ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ککری گراؤنڈ میٹھادر (موجودہ جوہر پارک) میں بڑے پیمانے پر یومِ حسین منایا گیا؛ جس کی صدارت اس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد نے کی تھی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مولانا حکیم قاری احمد نے کہا کہ اگر ہم نے حضرت امام عالی مقام کی سیرت و کردار کو رہنما بنایا تو یقیناً معاونت الٰہی ہمارے ساتھ ہوگی۔ اگر حسین رضی اللہ عنہ وارضاہ سے محبت کا ثبوت دینے کے لیے کچھ کیا جاسکتا ہے تو یہی کہ سیرتِ حسین، فداکاریِ حسین، عزم و ثباتِ حسین اور عظمتِ اہلِ بیت کو زیادہ سے زیادہ عام کریں۔ مولانا قاری

احمد نے اپنی تقریر کے آخر میں مولانا عبدالحامد بدایونی اور علامہ رشید ترابی کو اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں گراں قدر مشترکہ خدمات انجام دینے پر مبارکباد پیش کی اور کہا کہ آج یہ عظیم الشان اجتماع اس اتحاد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ۱۰۹ جمعیت کے ہی زیر اہتمام ۹ نومبر ۱۹۵۴ء کو جہانگیر پارک میں دو روزہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اگر ہم کتاب و سنت پر عمل کریں تو صدیوں کا کام برسوں میں پورا ہو سکتا ہے۔ بغیر غلامیِ مصطفیٰ و اطاعتِ مصطفیٰ ہم کوئی حقیقی مقام و عزت حاصل نہیں کرسکتے۔ جمعیت علماءِ پاکستان جشنِ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام صرف اس غرض سے کرتی ہے کہ ملتِ پاکستان میں اتحاد ویگانگت، محبت و رواداری، ایثار وخلوص اور حضور آقائے کونین اروا حنالہ الفداء سے سچی نسبت پیدا ہو۔ ۱۱۰

مولانا کا یہ اندازِ خطابت علما کے اس حریص گروہ کے لیے سوہان روح تھا۔ کیونکہ ان کی دکانداری متاثر ہوتی تھی۔ چنانچہ اس گروہ نے مولانا کے خلاف الزام تراشیاں شروع کردیں۔ پہلے شیعہ ہونے کا لیبل چسپاں کیا اور پھر دیوبندی قرار دے دیا۔ حضرت محدث سورتی کے دروازے سے علم کی خیرات لے جانے والوں کی اولاد نے نبیرۂ محدث سورتی کے مسلک پر قدغن لگائی، نفرت و عداوت کا بازار گرم کیا اور ایسے وقت میں جب کہ پاکستان میں مسلکِ اہلِ سنّت کا بول بالا کرنے کی ضرورت تھی اپنی دکان کو چمکانے کے لیے ایک عالمِ اہلِ سنّت کا اقتصادی و سماجی مقاطعہ ضروری سمجھا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا حکیم قاری احمد نے مسلک کو اس عداوت و نفرت سے بچانے کے لیے نہ صرف خاموشی اختیار کرلی بلکہ ایک حد تک خود کو سمیٹ لیا۔ اس مرحلے پر مولانا عبدالحامد بدایونی نے مداخلت کی، لیکن مولانا حکیم قاری احمد نے یہ کہہ کر مولانا کو مداخلت سے روک دیا کہ میرا میدان تحریر و تقریر ہے اور میں اس سلسلے کو تادم مرگ جاری رکھوں گا۔ جو لوگ چندہ اور عطیات پر زندہ ہیں وہ مرجائیں گے اور میرے لکھے ہوئے لفظ ہمیشہ میری صداقتوں کی گواہی دیتے رہیں گے اور پھر یوں ہوا کہ اختلافات نے دم توڑ دیا اور مولانا حکیم قاری احمد ایک مایہ ناز مصنف کی حیثیت سے خود کو روشناس کراتے چلے گئے۔ فروری ۱۹۵۵ء میں کراچی کے ایک اشاعتی ادارے قرآن محل کے مالک مولوی محمد سعید کی فرمائش پر آپ نے اس ادارے سے شائع ہونے والے ماہنامہ "پیام حق" کی ادارت سنبھال لی اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس حیثیت سے تادم مرگ کام کرتے رہے۔ مولانا قاری احمد سے جب کوئی "پیام حق" کی پالیسی اور عقائد کے متعلق سوال کرتا تو آپ بغیر کسی بحث میں الجھے ہوئے فرماتے کہ پیٹ کے لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ نے یہودیوں کے کھیتوں میں پانی دینے پر مزدوری اختیار کی تھی۔ میں ایک ادنیٰ سا مسلمان ہوں اور بحمد اللہ آج بھی اپنے جدِّ امجد کے مسلک پر قائم ہوں، مگر مولانا کی یہ منطق کج فہم اور متشدد افراد کے لیے صرف ایک حیلے کا درجہ رکھتی تھی؛ جب کہ مولانا نے "پیام حق" کے اداریوں اور مضامین میں کھل کر اپنے عقائد کا اظہار کیا اور برملا علامہ فضلِ حق خیر آبادی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں اور حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مسلک کو حق ثابت کیا۔ آپ نے قرآن محل سے وابستگی کے بعد تصانیفِ کثیرہ قلمبند فرمائیں۔ تصنیف و تالیف کے علاوہ مولانا کاغذی بازار کے علاقے میں "سورتی دواخانہ" کے نام سے پابندی کے ساتھ ۲۵ سال مطب کرتے رہے۔ آپ نے بادامی مسجد میٹھادر، ترک مسجد لی مارکیٹ اور رحمت مسجد بھیم پورہ میں بحیثیت خطیب خدمات انجام دیں۔ کئی سال سے قرآنِ کریم کی تفسیر زیرِ قلم تھی کہ بروز جمعہ تین بجے سہ پہر ۱۳ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ بمطابق ۱۴ مئی ۱۹۷۶ء کو حرکتِ قلب بند ہوجانے کی وجہ سے اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ اسی دن بعد نمازِ عشا سخی حسن قبرستان واقع نارتھ ناظم آباد میں سپردِ لحد کیا گیا۔ روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ حریت کراچی، روزنامہ ڈان کراچی، روزنامہ مشرق کراچی اور روزنامہ نوائے وقت لاہور نے مولانا کے انتقال کی خبر سیاہ حاشیے میں شائع کی اور ان کی علمی خدمات کا اعتراف کیا۔ جناب احمد سعید خاں سعید پیلی بھیتی نے یہ قطعۂ تاریخِ وفات لکھا

مختصر تاریخ ہے مرحوم کی
کانِ حکمت مخزنِ علم و شعور
سالِ رحلت سے ہے ظاہر مغفرت
قاری احمد کل تھے "اب عبدالغفور"
۱۳۹۶ھ

مولانا شاہ حسین گردیزی نے مولانا کی پہلی برسی پر ایک مضمون میں مولانا کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ممتاز عالمِ دین اور مورخ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی گذشتہ سال کراچی میں نہایت گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کے بعد اس دارِفانی سے عالمِ جاودانی کی سمت کوچ کر گئے۔ مولانا کی تمام زندگی فقہ اور تاریخ فقہ اور تاریخ کی خدمت میں گزری اور وہ بھی اس انداز سے کہ نہ ستائش کی تمنا کی اور نہ کبھی صلے کی پرواہ۔ نہایت خاموشی کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں مصروف رہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ و تاریخ جیسے اہم موضوعات پر بائیس سے زائد ضخیم مبسوط کتابیں تحریر کرنے اور بیس سال سے زائد ایک رسالے کی ادارت کے فرائض انجام دینے کے بعد ان کی شناسائی چند لوگوں تک محدود رہی اور بیش تر افراد کو گذشتہ سال ان کے انتقال پر اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے یہ علم ہوا کہ مولانا تصنیف و تالیف سے بھی شغف کرتے تھے۔ دراصل یہ مولانا کی اعلیٰ ظرفی اور حصولِ شہرت سے عدم دل چسپی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے کبھی اپنی استعدادِ علمی اور معلوماتِ وافرہ کے اظہار و نمائش کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ۱۱۱

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا کے جن علمائے محققین سے دیرینہ مراسم قائم رہے ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا عبدالسلام باندوی، مولانا یعقوب ضیاء القادری بدایونی، مولانا بہزاد لکھنوی، مولانا اطہر نعیمی، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا تقدس علی خاں بریلوی، پروفیسر محمد ایوب قادری، مفتی انتظام اللہ شہابی، جناب محمد علی خان سب ایڈیٹر روزنامہ حریت، مولانا عبدالحکیم خطیب ترک مسجد، مولانا امداد العلی رامپوری، حکیم محمد یونس دہلوی، علامہ رشید ترابی، مولانا بشیر احمد نعیمی اور سید ضامن حسین گویا جہاں آبادی کے نام سرِفہرست ہیں۔

اولاد

صفیہ قاری ایم اے (تاریخ اسلام) زوجہ سلیم الدین خاں، زاہدہ قاری بی اے، بی ایڈ، شاہدہ قاری زوجہ خان صادق حسین خاں، خالدہ قاری بی اے، راشدہ قاری ایم ایس سی، خواجہ رضی حیدر ایم اے، وصی حیدر عمار، ولی حیدر ذاکر، وغیرہ بھی متعدد علمی اور سماجی خدمات ادا کر رہے ہیں۔

الحاصل

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی اور ان کے صاحب زادے قاری احمد پیلی بھیتی کی دینی و علمی خدمات کے علاوہ تحریکِ پاکستان کے حوالے سے بھی بڑا نمایاں کام نظر آتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان بزرگوں کی خدمات کو اجاگر کیا جائے تاکہ نسلِ نو اپنے اکابرین کی خدمات سے متعارف ہو سکے۔

مولانا محمد امام الدین کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

مناظرِ اسلام مولانا ابو الیاس امام الدین قادری بن مولانا عبدالرحمٰن کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اپنے برادران سے علمی استفادہ کیا۔ آپ کے دونوں بڑے بھائی عالم، فاضل اور اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت کے نہ صرف خاص عقیدت مندوں میں تھے، بلکہ اعلیٰ حضرت سے دونوں بھائیوں کو یعنی مولانا ابو عبدالقادر عبداللہ کوٹلوی اور فقیہہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی کو خلافت و اجازت بھی حاصل تھی۔ ۱۱۲ مولانا ابو الیاس امام الدین قادری کوٹلوی کو بھی شوّال ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ رضا خاں محدثِ بریلوی نے اجازتِ حدیث اور سلسلۂ قادریہ میں بیعت کرتے ہوئے خلافت بھی عطا کی تھی۔ ۱۱۳

ادبی خدمات

مولانا امام الدین قادری پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ منظوم کلام میں آپ کو خصوصیت یہ حاصل ہے تھی کہ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمی مضامین کو بہت خوبی سے نظم میں ادا کرتے تھے۔ آپ کے قلمی شاہکار میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نصرۃ الحق (منظوم پنجابی کلام ۱۳۲۸ھ)
۲۔ احتیاط الظہر
۳۔ ہدایۃ الشیعہ (دو حصّے)
۴۔ الذکر المحمود فی بیان المولد المسعود

آپ کے چند اشعار (نعتیہ) ملاحظہ ہوں جو بزبانِ پنجابی تحریر فرمائے:

سب تھیں نبی محمد نوں رب و تاشاں اچیرا
علم غیب سکھلایا اس نوں دور کیتا سب ہنیرا

نامِ محمد دارب اپنے ناں دے نال رکھایا
نزد اللہ دے اسّتھیں ودھ کے ہور پسند نہ آیا
کراں پسند جو نبیاں و چوں و سا غیب استائیں
وچہ کلام اللہ دے دیکھو کہیا ہے رب سائیں
اسّتھیں خاص نتیجہ ظاہر عقلاں والے جانن
غیبی علم نبی نوں ہیی ہر دم شکر کماون۱۱۴

تحریکِ پاکستان

دیگر خلفاءِ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ نے بھی تحریکِ پاکستان میں نمایاں حصّہ لیا اور آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء میں شریک ہوکر تحریکِ پاکستان کے لیے قرار داد میں موجود رہے۔ آپ کا وصال ۱۹ ربیع الثانی بمطابق اگست ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء کو اپنے گاؤں میں ہوا اور وہیں دفنائے گئے۔۱۱۵

حوالہ جات

۶۹ تذکرہ علماء اہلِ سنّت، محمود احمد قادری، کانپور، انڈیا ۱۹۷۲ء ص:۲۳۵۔
۷۰ اکابر تحریکِ پاکستان، صادق قصوری، لاہور، ۱۹۹۲ء ص:۲۰۸۔
۷۱ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، صادق قصوری / ڈاکٹر مجید اللہ قادری، کراچی، ۱۹۹۲ء ص:۳۲۲۔
۷۲ اکابرِ تحریکِ پاکستان، صادق قصوری، لاہور، ۱۹۹۲ء ص:۲۰۹۔
۷۳ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، کراچی، ۱۹۹۲ء ص:۳۲۳۔
۷۴ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر صادق قصوری، ۱۹۹۲ء ص:۳۲۴تا۳۲۵۔
۷۵ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، محمد صادق قادری، ۱۹۹۲ء ص:۳۲۵تا۳۲۶۔
۷۶ تذکرہ علماء اہلِ سنّت، محمود احمد قادری، فیصل آباد ۱۹۹۲ء ص:۲۳۵۔
۷۷ تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، صادق قصوری / ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ص۳۳۱
۷۸ تذکرہ علماء اہلِ سنّت، محمود احمد قادری، ۱۹۹۲ء، فیصل آباد، ص:۱۹۷۔
۷۹ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ۱۹۹۲ء، ص:۲۷۹۔
۸۰ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، صادق قصوری، ۱۹۹۲ء، ص:۲۸۱۔
۸۱ خلفاء اعلیٰ حضرت، صادق قصوری، ۱۹۹۲ء، ص:۲۸۱۔
۸۲ تذکرہ علماء اہلِ سنّت، محمود احمد قادری، کانپور، ۱۹۷۶ء، ص:۱۹۸۔
۸۳ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، صادق قصوری، ص:۱۸۷، ۱۹۹۲ء، کراچی۔
۸۴ تذکرہ اکابر اہلِ سنّت، مولانا عبد الحکیم شرف قادری، ص:۳۶۷، لاہور۔
۸۵ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، محمد صادق قصوری، ۱۹۹۲ء، ص:۱۸۹۔
۸۶ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، صادق قصوری، ۱۹۹۲ء، ص:۱۹۰۔
۸۷ حیات صدر الافاضل، ۱۸۵، مؤلفہ مولانا غلام معین الدین نعیمی اور تذکرۃ علماء اہلِ سنّت، مؤلفہ صاحب زادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور۔
۸۸ تذکرہ علمائے اہلسنت، محمود احمد قادری، طباعت دوم، ۱۹۹۲، ص۵۹، فیصل آباد
۸۹ ایضاً۔
۹۰ تذکرہ علمائے اہلسنت، مولانا شاہ محمود احمد قادری، ۱۹۹۲، ص ۶۰، فیصل آباد۔
۹۱ آل انڈیا سنی کانفرنس، جلال الدین قادری، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۷۔
۹۲ تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، محمد صادق قصوری، ۱۹۹۲ء، ص:۲۱۹۔
۹۳ اکابر تحریکِ پاکستان، صادق قصوری، ۱۹۷۹ء، لاہور، ص:۴۷۰۔
۹۴ اکابر تحریکِ پاکستان، صادق قصوری، ۱۹۷۹ء، لاہور، ص:۲۲۶، ۴۷۰۔
۹۵ تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت، صادق قصوری، ۱۹۹۳ء۔
۹۶ تذکرہ علماء اہلِ سنّت، مولانا محمود احمد قادری، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص:۶۰۔
۹۷ مولانا محمد عبد اللطیف سورتی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار پیلی بھیت کے ممتاز علمائے دین میں ہوتا تھا۔ آپ اپنے بھائی محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق بھی تھے، دورۂ حدیث عبد الحی لکھنوی فرنگی سے پڑھا اور ارادت حضرت شاہ فضلِ رحمٰن گنج مراد آبادی سے حاصل تھی۔
۹۸ تذکرہ علماء اہلسنت مولانا محمود احمد قاری ۱۹۹۲ء ص۱۶۹۔
۹۹ مولانا غلام مہر علی، الیواقیت المہریہ، مطبوعہ مکتبۂ مہریہ، چشتیاں، ۱۹۶۵ء، ص:۸۶۔
۱۰۰ تاریخ ہندوپاکستان، مولانا قاری احمد، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۶ء۔
۱۰۲ ایضاً، ص: ۳۵۳۔
۱۰۳ سیرت کمیٹی کے حال و قال، مطبوعہ اہل سنت برقی پریس، مراد آباد، ۱۳۵۶ھ۔
۱۰۴ تاریخ ہندوپاک، ص:۳۹۵۔
۱۰۵ ہفت روزہ ہمدرد، دہلی رپورٹ مطبوعہ، ۳۰ جون ۱۹۴۷ء۔
۱۰۶ روئیدادیوم حسین، مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۵۵ء۔
۱۰۷ روئیداد، جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۹۵۵ء۔
۱۰۸ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی، مضمون شاہ حسین گردیزی مطبوعہ روزنامہ جنگ، کراچی ۱۸ مئی، ۱۹۷۷ء۔
۱۰۹ بتصرف، تذکرہ محدثِ سورتی، ص:۲۵۵، ۲۴۴، مؤلفہ خواجہ رضی حیدر۔
۱۱۰ ماہنامہ الرضا، بریلی، ۱۳۳۸ھ۔
۱۱۲ علامہ عبد الحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت پاکستان، ص: ۸۳، مکتبۂ قادریہ، ۱۴۰۹ھ، لاہور۔
۱۱۳ مولانا امام الدین کوٹلوی، نصرۃ الحق ۲۔
۱۱۴ پروفیسر اختر راہی، تذکرہ علمائے پنجاب، ص:۱۲۵، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۸۰ء۔

حضرت شمس مارہرہ اور رسالہ "آداب السالکین"

اُسَید الحق محمد عاصم قادری (مدرسۂ قادریہ،بدایوں،انڈیا)

ولادت باسعادت: حضرت شمس مارہرہ شمس الدین ابوالفضل آلِ احمد اچھے میاں قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۲۸؍رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ کو مارہرہ مطہرہ میں ہوئی۔ تاریخی نام "سلطان مشائخ جہاں" ہے۔

لقب اور عرفیت: آپ کو "شمس مارہرہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جو آپ پر من کل الوجوہ صادق آتا ہے، 'اچھے میاں' عرفیت ہے۔

والدماجد: آپ کے والد ماجد اور پیر و مرشد اسد العارفین سید الکاملین سیدنا شاہ حمزہ ابن شاہ آل محمد مارہروی قدس سرہ ہیں۔

صاحب البرکات کی بشارت: آپ کے پردادا صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہرہ قدس سرہ نے بشارت دی تھی کہ "ہماری اولاد میں ایک صاحبزادے ہوں گے جن سے رونقِ خاندان دوچند ہو جائے گی"، اور اپنا ایک خرقہ اپنی بھتیجی اور بہو والدۂ حضرت سیدنا شاہ حمزہ کو عنایت فرما کر حکم دیا تھا کہ یہ ان صاحبزادے کے واسطے ہے۔ جس وقت شمس مارہرہ کی عمر شریف چار سال کی تھی آپ کے جدامجد حضرت سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ نے آپ کو اپنی گود میں بٹھا کر ارشاد فرمایا کہ "وہ صاحبزادہ یہی ہیں جن کی حضور والد ماجد نے بشارت دی تھی"۔ آگے جا کر زمانے نے دیکھا کہ حضور صاحب البرکات کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا یہ جملہ کیسا صادق آیا کہ حضور شمس مارہرہ کی ذات والا صفات سے خانوادۂ برکاتیہ کی رونق دو چند ہوئی، فیضان برکاتیت آپ کے ذریعے عرب و عجم میں عام ہوا اور فیض غوثیت مآب کے دریا سے حضور شمس مارہرہ کے غلام سیر اب ہوئے اور ایک جہاں کو سیر اب کیا۔

تعلیم و تربیت اور بیعت: آپ نے علومِ ظاہری اور باطنی کے تمام تر فیوض اپنے والدِ ماجد حضور اسد العارفین سے حاصل کیے، اس کے علاوہ فنِّ طب علما اور حکیم نصر اللہ مارہری صاحب سے حاصل کیا، آپ کی روحانی تعلیم و تربیت براہِ راست بارگاہِ غوثیت سے ہوئی، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے روحانی معلم واستاذ خود جناب غوث الثقلین ہیں۔ والدِ ماجد سے شرف بیعت حاصل کیا اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

سجادہ نشینی: والد ماجد حضور اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ کے وصال (۱۱۹۸ھ) کے بعد آپ خاندانی دستور کے مطابق مسند نشینِ سجادہ برکاتیہ ہوئے اور اپنے وصال ۱۲۲۵ھ تک کامل ۳۷ برس اس مسندِ زریں کو زینت و رونق بخشی، ان ۳۷ برسوں میں خانقاہ برکاتیہ کے تمام معمولات کو بہ حسن و خوبی انجام دیا، ایک عالم آپ کے چشمۂ صافی سے فیض یاب ہُوا، ہزاروں گم کردہ راہ آپ کی ایک نگاہِ ارشاد سے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے، اور سیکڑوں تاریک دلوں کو نورِ عرفان سے منور کیا۔

عقدِ مسعود اور اولادِ امجاد: حضور شمس مارہرہ کا عقد مسعود سید شاہ غلام علی بلگرامی کی صاحبزادی سے ہوا۔ آپ سے ایک صاحبزادے حضرت سائیں میاں اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں، ان دونوں نے عہدِ طفولیت ہی میں پردہ فرمایا، حضرت سائیں میاں مادر زاد ولی تھے، جو زبان سے نکل جاتا پورا ہوتا، آپ کا وصال ۱۳؍ربیع الاوّل ۱۱۹۶ھ کو ہوا اور آپ کے صرف ۲۸ روز بعد ۱۱؍ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو شہزادی صاحبہ رخصت ہو گئیں۔

حضور شمس مارہرہ کے والد ماجد اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ نے ان حضرات کی وفات کے موقع پر مفتی اودھ کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا، اس طویل مکتوب گرامی میں اولاد کی وفات پر جس انداز میں صبر و ضبط اور راضی برضا ہونے کی تعلیم دی گئی ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ اس مکتوب کو مولانا غلام شبر صاحب نے مدائح حضور نور میں نقل کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ اس کی ایک نقل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں بھی محفوظ ہے جو ۱۲۰۷ھ میں نقل کی گئی ہے۔

وصالِ مبارک: آپ کا وصال ۱۷؍ربیع الاول شریف ۱۲۳۵ھ بروز جمعرات بوقت چاشت ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف ۷۵ سال تھی، درگاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف کے گنبد میں حضور صاحب البرکات کے پہلو میں آپ کا مزارِ اقدس مرجع انام اور

فیض بخش خاص وعام ہے۔

شمس مارہرہ کا عہد: شمس مارہرہ کے عہدِ مبارک (از ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء تا ۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء) میں مسلمانوں کی سیاسی شان وشوکت اگرچہ اپنے آخری عہد میں تھی مگر علم وفضل اور فقر و تصوف کے میدان میں ایسی ایسی عظیم المرتبت ہستیاں موجود تھیں کہ اس عہد کو برصغیر کے چند زریں عہد میں سے ایک کہا جاسکتا ہے۔ سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے بھائیوں شاہ عبد القادر محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے ساتھ مدرسۂ رحیمیہ دہلی کی مسندِ درس پر جلوہ افروز تھے، بیہقیِ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) اور حضرت شاہ احمد انوار الحق فرنگی محلی (م ۱۲۳۶ھ) ظاہر وباطن دونوں میں فیض کے دریا بہار ہے تھے، دہلی میں مولانا فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۴۳ھ) لکھنؤ میں ملا مبین لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ) اور بدایوں میں بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی (م ۱۱۹۷ھ) کی درس گاہیں شمع علم کے پروانوں سے آباد تھیں۔

دہلی کی حکومت کمزور تھی اور دن بدن کمزور تر ہوتی جارہی تھی، شمس مارہرہ کے عہد میں دہلی کے تخت کو ۴ بادشاہوں نے زینت بخشی، احمد شاہ (از ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۷ھ)، عالمگیر ثانی (از ۱۱۶۷ھ تا ۱۱۷۳ھ)، شاہ عالم ثانی (از ۱۱۷۳ھ تا ۱۲۲۱ھ) اور اکبر شاہ ثانی (از ۱۲۲۱ھ تا ۱۲۵۳ھ)۔ ان میں سے شاہ عالم ثانی کے بارے میں سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ آپ کا معتقد تھا اور اس نے والیِ اودھ نواب آصف الدولہ کے ذریعے چند دیہات ۱۱۹۸ھ میں بطور جاگیر آپ کو نذر کیے تھے۔ آپ کے عہد میں جیسا کہ عرض کیا گیا مسلمان کی حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی تھی اور رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر و نفوذ بڑھتا جا رہا تھا۔ فرنگیوں نے ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ (صوبۂ کرناٹک) پر قبضہ کیا۔ یہ ہندوستان پر انگریزوں کی پہلی فتح تھی۔ ۱۷۵۲ء میں ترچنا پلی فتح کیا، اُسی زمانے میں نظام دکن انگریزوں کا دوست بن گیا، جس کے ذریعے انگریزوں کو دکن میں بھی کامل اقتدار حاصل ہوگیا۔ جنوبِ ہند میں اقتدار مستحکم کرنے کے بعد انگریزوں کو بنگال، بہار، اڑیسہ کی فکر ہوئی، ۱۷۵۶ء میں کلکتہ کے قلعہ پر حملہ کیا اور اس کے ایک سال بعد ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ ہوئی، نواب سراج الدولہ کو میر جعفر کی غداری کے سبب شکست ہوئی، ۱۷۶۴ء میں بکسر کے میدان میں ہندوستانی فوج کو شکست ہوئی، جس کے بعد اودھ پر انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہوگیا۔ ۱۷۶۵ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کے فریب میں آگیا اور تقریباً ایک تہائی ہندوستان فرنگیوں کے حوالے کر دیا۔ ۱۷۹۹ء میں شیر میسور ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی۔ انگریزوں کی فتوحات اور ہندوستانیوں کی شکست وریخت کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی گئی جس کو غدر کا نام دیا گیا اور اس میں انگریزوں کی فتح کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کرکے ہندوستان کا اقتدار براہِ راست ملکہ وکٹوریہ کے زیرِ فرمان ہوگیا۔

مرجع اکابر: اپنے عہد کے اکابر ومشائخ میں آپ کو جو ممتاز مقام حاصل تھا اس نے آپ کو مرجع خلائق بنا دیا تھا، بڑے بڑے اکابر اور اولیا مسائلِ حال وقال میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے، صاحب "آثار احمدی" نے لکھا ہے کہ ایک صاحب نے بغداد شریف میں نقیب الاشراف صاحب سجادہ غوثیہ سے عرض کیا کہ مجھے مسئلۂ وحدت الوجود میں کچھ اشکال ہے وہ دور فرمادیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں ہمارے گھر کی دولت تقسیم ہورہی ہے وہاں جاؤ، حسبِ ارشاد یہ ہندوستان آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی میں سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا شمسِ فضل وکمال عروج پر تھا اور ہر جگہ آپ کے فیضانِ علمی کا ڈنکا بج رہا تھا، یہ صاحب شاہ صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا، شاہ صاحب نے مسئلہ سمجھایا مگر ان کی تشفّی نہ ہوئی، شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ مسئلہ قال سے نہیں بلکہ کسی صاحبِ حال سے حل ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ مارہرہ چلے جاؤ وہاں ہمارے بھائی اچھے میاں ہیں وہ تمہاری تسکین کردیں گے، یہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے، جس وقت یہ پہنچے اس وقت حضرت درگاہ سے خانقاہ کی طرف جارہے تھے؛ راستے میں انھوں نے قدم بوسی کی، آپ وہیں ٹھہر گئے اور اُن کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے مختصراً اپنے آنے کا مقصد اور مسئلے کے سلسلہ میں اپنے اشکال عرض کیے، وہیں قریب میں ایک پھونس کا چھپر تھا حضرت نے اس پر سے کچھ تنکے اٹھائے

اور ان کو توڑتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے اشکالات ایسے ہی ہیں جیسے یہ تنکے، پھر ایک ایسی نگاہِ توجہ ڈالی کہ اسی وقت ان پر اس مسئلے کی حقیقت منکشف ہو گئی۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ شاہ عبد العزیز جیسے جامع شریعت وطریقت کا کسی شخص کو حضور اچھے صاحب کی بارگاہ میں تسکینِ باطنی کے لیے بھیجنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس سے انداز ہوتا ہے کہ اکابرِ زمانہ کی نظر میں آپ کا کیا مقام تھا۔

مجددِ سلسلۂ نظامیہ فخر پاک حضرت مولانا خواجہ فخر دہلوی کے ایک مرید کسی وجہ سے گرفتار ہو گئے اور جائداد بھی ضبط کرلی گئی، بہت پریشان تھے، اپنے مرشدِ گرامی کی طرف لو لگائی، شب کو خواب میں آپ نے خواجہ فخر پاک کو دیکھا کہ انھوں نے نواب صاحب کا ہاتھ ایک بزرگ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا میں تمھیں ان کو سونپتا ہوں جو مشکل پیش آئے ان سے رجوع کرنا، نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ کون ہیں اور کہاں ہیں؟ فرمایا کہ یہ سید آل احمد قادری ہیں اور مارہرہ میں جلوہ افروز ہیں۔ یہ خواب سے بیدار ہوئے اور قاصد کو مارہرہ شریف روانہ کیا۔ کچھ ہی عرصے میں حضرت شمسِ مارہرہ کی دعا سے رہائی نصیب ہوئی۔ (تنبیہ الخلوق، ص:۵۵)

ان دونوں واقعات سے انداز ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف شاہ عبد العزیز محدث دہلوی جیسا محدث وعالم مسائل کے حل کے لیے لوگوں کو شمس مارہرہ کی طرف رجوع ہونے کی ہدایت کر رہا ہے تو دوسری طرف حضرت خواجہ فخر پاک جیسا ولی کامل اور صاحبِ تصرف مشکلات کے دفعیہ کے لیے اپنے مرید کو حضرت شمس مارہرہ کے سپرد کرکے ان کی طرف رجوع کا حکم فرما رہا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے حالات میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بغداد شریف، بخارا، شام اور ہندوستان کے دور دراز مقامات سے علما وصوفیا سفر کرکے آپ کی بارگاہ میں اپنے مسائل کی گتھی سلجھانے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

خلفائے کرام: حضور شمس مارہرہ کی عنایت سے وابستگان کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے اجازت وخلافت حاصل کی۔ آپ کے خلفا میں اپنے وقت کے جید علما وفضلا، مفتیانِ کرام، اہلِ درس وتدریس، فقرا وصوفیہ، اہل خانوادہ اور خود آپ کے پیر خانہ کالپی شریف کے عظیم المرتبت افراد شامل ہیں۔ سوانحی کتب کو گہرا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے کم از کم ۸۴/ افراد کو اجازت وخلافت سے نوازا، آپ کے خلفا کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے (۱) اہل خاندان، (۲) بدایونی خلفا، (۳) عام خلفا

خلفائے خانوادہ:

(۱) برادرِ اصغر حضرت سید شاہ آل برکات عرف ستھرے میاں قدس سرہ
(۲) سلطان التارکین حضرت سید شاہ آل حسین سچے میاں
(۳) خاتم الاکابر سیدنا شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ
(۴) سید العابدین سید شاہ اولادِ رسول صاحب قدس سرہ
(۵) شمس العرفا حضرت سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ

بدایونی خلفا: بدایوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس پر حضور شمس مارہرہ کی بہت خاص نظر عنایت رہی ہے۔ بدایوں کو آپ اپنی جاگیر فرمایا کرتے تھے۔ ہماری معلومات کی حد تک بدایوں کے ۲۴ خوش نصیب افراد ایسے ہیں جن کو شمس مارہرہ نے اجازت وخلافت سے نوازا (یہ ہمارا ناقص مطالعہ ہے ورنہ تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے) آپ کے بدایونی خلفا میں بعض حسبِ ذیل ہیں: (۱) افضل العبید شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی (۲) مولانا شاہ عبد الحمید عثمانی بدایونی (۳) مولانا فخر الدین عثمانی بدایونی (۴) مولانا ذکر اللہ شاہ فرشوری بدایونی (۵) مولانا غلام جیلانی عثمانی بدایونی (۶) مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی (۷) مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری (۸) مولوی محمد افضل صدیقی بدایونی (۹) مولوی نصیر الدین عثمانی بدایونی (۱۰) شیخ عبد الصمد متولی بدایونی (۱۱) قاضی ظہیر الدین صدیقی بدایونی۔

دیگر خلفا: خانوادۂ برکاتیہ اور بدایونی حضرات کے علاوہ شمس مارہرہ کے باقی خلفا میں تقریباً ۴۵ نام اب تک ہمارے مطالعے میں آئے ہیں، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: (۱) حضرت پیر بغداد صاحب صاحبزادہ حضور غوثیت (۲) حضرت سید شاہ خیرات علی صاحب نبیرہ سجادہ نشین شاہ فضل اللہ کالپوی (۳) حافظ سید شاہ غلام علی شاہ جہانپوری (۴) سید احمد شاہ صاحب شاہ

جہانپوری(۵)سید شاہ میرن صاحب بریلوی(۶)سید محمد علی صاحب الملقب غلام درویش لکھنوی (۷)مولانا فضل امام صاحب رائے بریلوی(۸)میاں حبیب اللہ صاحب قندھاری(مدفون در گاہ قادری بدایوں)(۹) مولوی غلام عباس بردوانی (۱۰)خواجہ کلن قاضی سروج(۱۱) مولانا بدر الدین بخاری (۱۲)مولانا شیخ احمد دہلوی (۱۳) مولانا عبد الجبار شاہ جہاں پوری (۱۴)مولانا عبد القادر صاحب داغستانی(۱۵)خواجہ غلام نقشبند خاں دہلوی

علوم وفنون کا انسائیکلوپیڈیا آئین احمدی: حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے زمانے کے جید علما کا ایک بورڈ تشکیل دے کر اپنی نگرانی میں فقہ حنفی کا ایک انسائیکلوپیڈیا مرتب کروایا تھا جو "فتاوی عالمگیری" کے نام سے معروف ہے۔ تاریخی طور پر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں اس کے بعد علما کی ایک جماعت نے مل کر اگر کوئی انسائیکلوپیڈیا ترتیب دیا تو وہ "آئین احمدی" ہے، جو حضور شمس مارہرہ کے حکم پر آپ کے مریدین وخلفا علما وفضلا کی ایک جماعت نے مل کر ترتیب دیا، عالم گیری انسائیکلوپیڈیا اور آل احمدی انسائیکلوپیڈیا میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ حضرت عالمگیر نے صرف فقہ حنفی کے مسائل وجزئیات پر مشتمل کتاب ترتیب دلوائی جب کہ شمس مارہرہ کے حکم سے ترتیب دی گئی اس انسائیکلوپیڈیا کی شان یہ ہے کہ علومِ متداولہ میں سے کوئی علم وفن ایسا نہیں ہے جو اس میں درج نہ ہو۔ اس طرز پر اور بھی کتابیں لکھی گئی ہیں جو علوم متداولہ کی بہت سی شاخوں کو محیط ہوں، ان میں علامہ قطب الدین شیرازی کی درۃ التاج لغرۃ الدیباج علمی حلقوں میں معروف ہے۔ "آئینۂ احمدی" کی تالیف کے سلسلے میں مولانا غلام شبر قادری لکھتے ہیں: "خلفا ومریدین سے ایک جماعتِ علما حاضر ہے، ارشاد ہوا کہ اگر کتب خانۂ سرکار مارہرہ کو کوئی مکمل دیکھنا چاہے (تو) ایک بڑا وقت درکار ہوگا۔ مناسب ہے کہ آپ لوگ کوشش کریں اور کتب خانۂ سے متفرق علوم وفنون کی کتب انتخاب کریں پھر ہر فن کا خلاصہ جو امور ضروریہ کا حامل ہو مرتب کریں جو اس خلاصے کو دیکھ لے، گویا بہت سی کتابیں اور مصنفوں کی تحقیقات سے مطلع ہوگیا۔ حسب الحکم ایک جماعت نے تعمیل کی اور ایک مجموعہ جو قریباً تیس اور بروایتے ساٹھ جلد پر مشتمل تھا مکمل ہوا، اُس کا نام "آئین احمدی" رکھا گیا۔ اس میں بیشتر اکابر کے متون اور چھوٹے بڑے رسالے مستقل نقل ہیں۔ بعض مضامین بطور خلاصہ نقل ہیں اصل مسودہ اذکار و اشغال کی اس عاجز نے زیارت کی ہے جو کہیں کہیں حضرت کے دستخط سے بھی مزیّن اور ہدایات سے آراستہ ہے، متعدد جلدیں صاف شدہ بھی دیکھی ہیں جو کلام و عقائد اور سلوک وسِیَر میں ہیں۔ چند جلدیں اس کی صاحبزادوں کے پاس ہیں؛ چند مدرسۂ قادریہ میں ہیں، کچھ اور حضرات کے قبضے میں ہیں، افسوس یہ سلکِ درر منتشر ہوگیا، ورنہ عجب نعمت تھی"۔(مدائح حضور نور، ص:۶۴،۶۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "آئینِ احمدی" صرف ایک کتاب نہیں، بلکہ اپنے اندر ایک مکمل کتب خانہ ہے؛ مگر افسوس کہ علوم فنون کا یہ عظیم انسائیکلوپیڈیا محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کی مختلف جلدوں کے بارے میں جو بات سابقہ اقتباس میں کہی گئی ہے تقریباً وہی بات حضرت تاج العلما نے بھی فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں: "اس کی بہت سی جلدیں تلف ہوگئیں، اب فقیر کے کتب خانے میں چند جلدیں ہیں، جن میں سے ایک عقائد وفقہ میں بطور متکلمین وصوفیہ اور بقیہ اشغال و اور ادو اذکار وغیرہ میں ہیں"۔(تاریخ خاندان برکات، ص:۲۴،۲۵) غالباً یہ وہی جلدیں ہیں جن کی مولانا غلام شبر صاحب نے زیارت کی ہے اور ان پر حضور شمس مارہرہ کی تحریر وہدایات کا درج ہونا بیان کیا ہے۔ حضرت تاج العلما آگے لکھتے ہیں: "کچھ جلدیں اس کی چچا صاحب سید مہدی حسن صاحب کے کتب خانے میں بھی تھیں اور کچھ جلدیں سنا جاتا ہے کہ استاذی مولانا مولوی عبد المقتدر صاحب بدایونی کے کتب خانے میں ہیں"۔(مرجع سابق)

تقریباً تمام سوانح نگاروں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ آئین احمدی کی چند جلدیں کتب خانۂ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں۔ کتب خانہ قادریہ میں موجود مطبوعات کی ترتیبِ جدید ہوچکی ہے اور ان کا ایک کیٹلاگ (Catalog) بھی تیار کیا جاچکا ہے، مگر ابھی مخطوطات پر کام نہیں ہوا ہے جو ایک اندازے کے مطابق ۸۰۰ اور ۱۰۰۰ کے درمیان ہوں گے۔ آئین احمدی کی مذکورہ جلدیں اسی حصۂ مخطوطات میں کہیں ہیں، جلد ہی ارادہ ہے کہ حصہ مخطوطات کی فہرست سازی کا کام شروع کیا

جائے۔ فہرست سازی کے عمل کے دوران ان شاءاللہ یہ جلدیں بر آمد ہوں گی۔ کچھ سال قبل مخطوطات کی ایک الماری کو سرسری طور پر دیکھ رہا تھا اسی دوران ایک ضخیم کتاب بر آمد ہوئی جس پر شمس مارہرہ کی تحریر اور دستخط تھے۔ اس کو میں نے الگ کر لیا اور عرصے تک اس کو میں "آئینِ احمدی" گمان کرتا رہا، مگر ایک بار فرصت میں اس کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا یہ "آئینِ احمدی" نہیں ہے۔ مولانا غلام شبر صاحب نے لکھا ہے کہ "حضور شمس مارہرہ نے اپنے کتب خانے سے عمدہ عمدہ کتابیں منتخب فرما کر مدرسۂ قادریہ کو جو اس وقت مدرسۂ محمد یہ کہا جاتا تھا، مرحمت فرمائیں"۔ (مدائح حضور نور، ص ۶۶)۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی انھیں عطا کردہ کتابوں میں سے ایک ہے۔

تصانیف: معمولاتِ ذکر و فکر، اشغال باطنی، مریدین و سالکین کی ترتیب اور مخلوقِ خدا کی اصلاح و ہدایت میں مصروفیت کی وجہ سے آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں فرمائی، جس موضوع پر تصنیف کی ضرورت محسوس فرمائی اپنے خلفا اور خدام کو حکم دے کر کتاب تصنیف کروالی، آئینِ احمدی کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ مولانا غلام شبر صاحب لکھتے ہیں: "حضور اقدس کو تصنیف و تالیف سے دل چسپی نہ تھی، بیشتر مسائل اور استفسارات و شبہات کا جواب خود سائلوں پر منکشف ہو جاتا، کبھی نوازش ناموں سے تسکین فرمادیتے، اس عاجز نے بعض کرامت نامے حضور کے دیکھے ہیں جن میں فوائد عجیبہ اور تحقیق مقام کے سوا خدام کی حفاظت و پرورش کا خاص پتا چلتا ہے، افسوس اس زمانے میں کسی نے ان کے جمع کرنے کی کوشش نہیں کی اور اب بہت دشوار ہے۔" (مدائح حضور، ص ۶۵)

بعض معاصر اہلِ قلم نے حضرت کی مندرجہ ذیل تصانیف کا تذکرہ کیا ہے: (۱) آئینِ احمدی ۳۴ جلدیں، (۲) بیاض عمل و معمول دوازدہ ماہی، (۳) آداب السالکین مطبوعہ، (۴) مثنوی تصوف، (۵) دیوان شعر فارسی، (۶) وصیت نامہ (اہل سنت کی آواز، ص ۱۶۴، مارہرہ شریف ۱۹۹۹ء)

ہم نے شمس مارہرہ کی تصانیف کے حوالے سے جب سوانحی کتب کا مطالعہ کیا تو بعض قابلِ توجہ امور سامنے آئے جن کی روشنی میں صرف "آداب السالکین" اور "بیاض عمل و معمول" کو ہی حضرت کی تصانیف کے ذیل میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

"آئینِ احمدی" کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں کہ دراصل یہ حضور شمس مارہرہ کے حکم اور نگرانی میں ترتیب دیا جانے والا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے؛ جیسا کہ مولانا غلام شبر صاحب کے بیان سے واضح ہے مگر اس کو شمس مارہرہ کی تصنیف قرار دینا ذرا محلِّ نظر ہے، ایک طرف تو اکثر سوانح نگار یہ لکھ رہے ہیں کہ اوراد و اشغال کی مصروفیت کی وجہ سے آپ کو تصنیف و تالیف سے دل چسپی نہیں تھی اور دوسری طرف آپ نے ۳۴، ۳۰ یا ۶۰ "ضخیم جلدیں" تصنیف فرمادیں۔ مولانا غلام شبر صاحب جنھوں نے اس کی متعدد جلدوں کی زیارت کی ہے ان کا بیان ہے کہ "اس میں بیشتر اکابر کے متون اور چھوٹے چھوٹے رسالے مستقل نقل ہیں، بعض مضامین بطور خلاصہ نقل ہیں"، مزید یہ ہے کہ "کہیں کہیں حضور کے دستخط سے مزین اور ہدایات سے آراستہ ہے"۔ ان اشارات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کی گنجائش ہے کہ آئینِ احمدی شمس مارہرہ کے حکم سے ان کے خلفا و خدام نے ترتیب دی، ہاں کہیں کہیں آپ نے بھی اس میں بطور ہدایات اپنے قلمِ حق رقم سے کچھ تحریر فرمادیا، بہر حال جب تک آئینِ احمدی کی باقی ماندہ جلدیں سامنے نہیں آتیں اس وقت تک یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

دیوان فارسی کو بھی یقینی طور پر حضرت شمس مارہرہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، خود حضرت تاج العلما سید اولادِ رسول نے بھی جزم و یقین کے ساتھ اس کو حضرت کا دیوان قرار نہیں دیا ہے، آپ فرماتے ہیں "ایک مختصر دیوان اشعار فارسی کی نسبت بھی گمان کیا جاتا ہے کہ حضرت کا ہے۔" (خاندانِ برکات، ص: ۲۵)

یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ شمس مارہرہ کے حالات میں جتنے بھی قدیم مآخذ اب تک ہماری نظر سے گزرے کسی میں آپ کے شعری ذوق کے بارے میں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے، عشقی یا عینی کی طرح آپ کے تخلص کا کہیں بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، اگر آپ نے میدانِ شعر و سخن کو عزت بخشی تھی اور اس حد تک شعری ذوق تھا کہ ایک مکمل دیوان مرتب ہو گیا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو سوانح نگاروں کو اپنی جانب متوجہ نہ کرتی، ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلبۂ حال کے وقت یا کسی مخصوص کیفیت کے وقت بر

جستہ کچھ اشعار نظم ہو جاتے ہیں، غالباً ایسے ہی کسی موقع پر تصوف کے اسرار و رموز کے سلسلے میں حضرت نے مثنوی کے طرز پر کچھ اشعار نظم کیے ہوں گے مگر یہ کوئی ایسی طویل اور مکمل مثنوی نہ ہوگی جس کو مستقل ایک تصنیف قرار دیا جاسکے، حضرت تاج العلما نے بھی اس کو "ایک چھوٹی سے مثنوی" فرمایا ہے اور پھر یہ کہ یہ "مثنوی ایک بدایونی صاحب کو حفظ تھی جو ان سے فقیر (حضرت تاج العلما) نے بھی سنی تھی"، یہ خود اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ کوئی دوچار سو اشعار پر مشتمل مثنوی نہیں ہوگی ورنہ ایک بدایونی صاحب کو زبانی یاد ہونا اور ایک ہی نشست میں سنا دینا ذرا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ وصیت نامے کو بھی "تصنیف" کے زمرے میں شامل کرنا محلِّ نظر ہے، یہ دو صفحات کا وصیت نامہ ہے جس کو غلام شبر صاحب نے "مدائح حضور نور" اور حضرت تاج العلما نے "بہترین کملا کی وصیتیں" میں نقل فرمادیا ہے۔

ہاں البتہ بیاض عمل و معمول کو حضرت کی تصنیف کہا جاسکتا ہے، حضرت تاج العلما کے بقول "اس میں مارہرہ کے متعلق جو اعمال و اوراد اور اذکار و اشغال وا عراس و فواتح خاندان عالی شان برکاتیہ میں معمول ہیں مندرج ہیں یہ بھی مبسوط کتاب ہے"۔ (خاندان برکات، ص:۲۵) یہ بیاض یقیناً کتب خانہ سرکار مارہرہ میں موجود ہوگی۔

دوسرا رسالہ آداب السالکین ہے جسے حضرت شمس مارہرہ کی تصانیف میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ راہ سلوک اور اذکار و اشغال پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے، اس رسالے کو سب سے پہلی مرتبہ شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری قدس سرہ نے ترجمہ کرکے شائع فرمایا (مطبع ادبی لکھنؤ ۱۹۳۵ء)، ہم تمام آل احمدیوں کو حضرت کا احسان مند ہونا چاہیے کہ آپ نے ترجمہ اور اشاعت کے ذریعے شمس مارہرہ کا یہ مبارک رسالہ محفوظ فرمادیا ورنہ ممکن ہے یہ بھی مفقود ہو جاتا۔ حضرت تاج العلما نے ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی متن بھی شائع کیا تھا، رسالہ کا دوسرا ایڈیشن اراکین بزم قاسمی برکاتی کانپور کے زیرِ اہتمام شائع ہوا اس ایڈیشن میں صرف ترجمہ شائع کیا گیا، متن شاملِ اشاعت نہیں کیا گیا۔ امینِ ملّت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی نے ۱۹۸۷ء میں از سرِ نو ترجمہ کیا اور آپ کے گراں قدر مقدمہ کے ساتھ یہ رسالہ برکاتی پبلیشرز کراچی نے شائع کیا، یہی اشاعت ہمارے پیشِ نظر ہے۔

آداب السالکین

چوں کہ آپ کی تصانیف میں یہی رسالہ آداب السالکین محفوظ ہے، لہٰذا ہم یہاں اس کا قدرے تفصیلی تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب آداب و فنا کے بیان میں، دوسرا باب ذکر کی ترتیب کے بیان میں اور تیسرا باب ذکر یا شغل اور حضوریِ قلب سے دفعِ خطرات کے فوائد کے بیان میں۔

پہلے باب میں ان آداب کا بیان ہے کہ اگر سالک مرشد کی موجودگی میں اپنی عقل کے مطابق ان پر عمل کرتا رہے تو اس کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔ اس باب میں ۱۲ر آداب کا بیان ہے:

پہلا ادب: یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اللہ تعالیٰ سے اللہ کے علاوہ کچھ نہ مانگو کیونکہ جب اللہ ہی اس کا ہوگا تو ساری مخلوق اس کی ہوگی۔

دوسرا ادب: سالک کبھی ایسا حرف بھی زبان پر نہ لائے جو عاجزی، مسکینی، تابع داری اور انکساری سے خالی ہو۔

تیسرا ادب: وہ نعمتیں ہر گز ظاہر نہ کرے جو سلوک کی منزلیں طے کرتے وقت اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوں۔

چوتھا ادب: اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے ظاہر و باطن کے جملہ احوال پر مطلع جانے۔

پانچواں ادب: ہر چھوٹے بڑے کام میں سرورِ عالم ﷺ کی پیروی ضروری سمجھے، محبوبی کا درجہ ملنے کا یہی ایک راستہ ہے۔

چھٹا ادب: ساداتِ کرام، مشائخ عظام اور علمائے دین کو رسول اللہ ﷺ کا نائب سمجھے اور دل و جان سے ان کی تعظیم کرے۔

ساتواں ادب: اپنے پیر و مرشد کو اپنے حق میں دنیا کے تمام شیوخ سے افضل سمجھے۔

آٹھواں ادب: مرشد کے سامنے سالک کو ایسے رہنا چاہیے جیسے غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت ہوتی ہے۔

نواں ادب: راہ سلوک میں مشاہدۂ تجلیات سے باطنی جوش پیدا ہوتا ہے، سالک کو لازم ہے کہ اس مقام پر اپنی حد سے باہر نہ جائے اور اپنے مرتبے سے قدم آگے نہ بڑھائے۔

دسواں ادب: اپنے سارے کام خواہ وہ نفس کے بہکانے سے ہوں یا قلب و روح کے قوت دینے سے، ان سب کو اور خود کو خدا کے حوالے

کر دینا چاہیے۔

گیارھواں ادب: خلق سے تنہائی اختیار کرے اور اپنے نفس سے غرور کو باہر نکال دے۔

بارھواں ادب: جس قدر ہو سکے کم کھائے اور کم سوئے۔ یہ ادب لکھنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ان آداب سے بھی زیادہ فائدہ مرشد کے پاس رہنے سے ہوگا، اس لیے کہ مرشد کی موجودگی میں ایک ہی مجلس میں ہزاروں رکاوٹیں اور ہزاروں الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔ سلوک کی منزلیں طے کرنے میں جس حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے وہ فنا سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے آپ نے فنا کی تفصیل اور اس کی تینوں قسموں کا بیان فرمایا ہے۔

فنا کی پہلی قسم: فنافی الشیخ یعنی اپنے آپ کو مرشد کے خیال میں ایسا گم کر دے کہ خود کو بھول جائے اور اپنے آپ کو مرشد سے الگ نہ سمجھے۔

دوسری فنا: فنافی الرسول ہے۔ یہ مرتبہ فنافی الشیخ کے بعد حاصل ہوتا ہے، سالک کو جو کچھ مشاہداتِ تجلیات ہوں ان سب کو رسولِ اکرم ﷺ کا کرم سمجھے۔

تیسری فنا: فنافی اللہ ہے۔ جب سالک فنافی اللہ کے آخری درجے تک پہنچتا ہے تو وہیں سے بقا کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے تفصیل سے ان اورادو اشغال اور نوافل و تلاوت کا بیان فرمایا ہے جو راہ سلوک میں ضروری ہیں۔

دوسرا باب ذکر کی ترتیب کے بیان میں ہے، اس میں آپ نے ذکر نفی واثبات کا طریقہ اور تعداد بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ ذکر دو وقت کرنا چاہیے ایک تو تہجد کے وقت کہ اس وقت رحمت خداوندی جوش میں ہوتی ہے دوسرا مغرب کے وقت کہ رات میں جاگنے والوں کا دن اسی وقت شروع ہوتا ہے۔

تیسرے باب میں دفع خطرات کے طریقے بیان کیے ہیں۔ جب سالک ذکر و شغل کرتا ہے تو اس کے قلب پر وسوسے اور خطرات گزرتے ہیں اور یہ وسوسے حضوریِ قلب میں مانع ہوتے ہیں ان کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بائیں طرف غصہ سے تھوک دے اور یہ سوچے کہ میں نے شیطان کے منھ پر تھوک دیا اور وہ ملعون میرے تھوکنے سے بھاگ گیا۔ پھر اگر شیطان بہکائے تو تین گہری سانسیں لے اور پھر دونوں نتھنوں سے ناک سنکنے کی طرح سانس نکالے، گویا دماغ سے گندگی نکل گئی۔ اگر اب بھی کوئی اندیشہ ہو، تو پوری قوت کے ساتھ تین مرتبہ ذکرِ نفی واثبات کرے یعنی پوری طاقت سے لاالٰہ کہنے کے بعد دل پر الاّ اللہ کی ضرب لگائے اور اپنے ذکر میں مصروف ہو جائے۔

ذکر کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وضو کر کے کعبے کی طرف منھ کر کے دوزانوں یا چارزانوں بیٹھے اور اپنے حواس مجتمع کر کے ایک بار آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اور اپنے قلب کو مخلوق سے غافل کر کے ساری توجہ حق تعالیٰ کی جانب لگالے۔ رسالے کے خاتمے میں فرماتے ہیں کہ جو سالک ان آداب پر عمل کرے گا وہ انشاءاللہ تعالیٰ بزرگانِ دینِ متین کی ارواحِ کریمہ کی برکت سے فیض یاب ہوگا، مرتبۂ شریعت سے مرتبۂ طریقت پر پہنچ جائے گا اور اپنے سوالوں کو فرشتوں کے جواب سے دریافت کر لے گا۔ ان دونوں مرتبوں کو حاصل کرنے والا مرتبۂ علم الیقین اور مرتبۂ عین الیقین بھی حاصل کرے گا۔

کتابیات

۱۔ آثارِ احمدی (قلمی): حکیم عنایت حسین مارہروی۔

۲۔ آداب السالکین: سید شاہ آل احمد اچھے میاں، ترجمہ ڈاکٹر سید محمد امین میاں، برکاتی پبلشرز کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۳۔ اہلِ سنّت کی آواز ۱۹۹۹ء: خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف۔

۴۔ تاریخ خاندانِ برکات: تاج العلماشاہ اولادِ رسول محمد میاں مارہروی، برکاتی پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۵۔ تنبیہ المخلوق (قلمی): مجاہد الدین ذاکر بدایونی۔

۶۔ مدائح حضور نور: مولانا غلام شبر قادری بدایونی، امیر الاقبال پریس، بدایوں، ۱۳۳۴ھ۔

۷۔ ملّتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ: ثروت صولت، مرکزی مکتبۂ اسلامی، دہلی۔

"حاشیۂ ارشاد الساری" پر ایک نظر

مولانا محمد رشید نقشبندی (کوٹلی، آزاد کشمیر)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے علوم نقلیہ وعقلیہ کی سینکڑوں کتب پر حواشی تحریر فرمائے۔ ان کے کتب خانے میں علمائے سابقین کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس پر انھوں نے حواشی نہ لکھے ہوں۔ بخاری شریف کی ضخیم وعظیم شرح "ارشاد الساری" کے نام سے مشہور شافعی عالم حضرت شہاب الدّین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی (المتوفّٰی ۹۲۳ھ) نے تحریر فرمائی۔ ارشاد الساری پر بھی امام احمد رضا نے عربی زبان میں حواشی تحریر فرمائے۔ خوش قسمتی سے یہ حواشی ان مخطوطات میں شامل تھے جن کے عکس ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے بانی صدر سید ریاست علی قادری بریلی شریف سے پاکستان لے آئے۔ مقتدر علما کی زیرِ نگرانی محترم سیّد غلام مصطفیٰ عقیل بخاری کی تحقیق اور اُردو ترجمہ کے ساتھ یہ حواشی شایع ہو چکے ہیں۔ پیشِ نظر مضمون امام احمد رضا کے اس "حاشیۂ ارشاد الساری" کے تعارف میں تحریر کیا گیا ہے۔ (عبید)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

کائناتِ عالم میں ہدایت کا اصل ذریعہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہیں، ان ہی سے صداقت کی کرنیں پھُوٹتی ہیں اور دنیا کو بقعۂ نُور بنا دیتی ہیں، ان ہی سے اخوّت ومروّت کی شمعیں جلتی ہیں اور بغض وکینہ اور فساد کے تاریک گوشوں کو منّور کرتی ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی حقیقت وماہیت کے لحاظ سے ان کی مثل اور فضائل وکمالات کے لحاظ سے ان کا ہم سر نہیں ہوتا۔ ہر نبی ورسول اپنی قوم میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے، اس کی خوشنودی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کا حکم اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (سُوْرَۃُ النِّسَآء، آیت ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

سابقین انبیاءِ کرام علیہم السّلام جن شریعتوں اور اُسوہ ہائے زندگی کو لاتے رہے، وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط نہ تھے، اس لیے ایک جامع اور کامل نبی کی ضرورت تھی جس کی سیرت میں انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لیے ہدایت ہو، قیامت تک پیش آنے والے حالات اور مسائل میں کوئی مسئلہ نہ ہو، مگر اس نبی کی شریعت میں اس کے لیے راہنمائی موجود ہو اور اُس کی شریعت میں رنگ و نسل، خاندان و قبیلہ، زبان وبیان کی کوئی قید نہ ہو جس کا پیغام زمانۂ بعثت سے قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لیے ہدایت ہو، پس اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ نے قیامت تک آنے والی نسلوں کو مخاطب کر کے فرمایا: یا یھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (میں تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔

نور الہدیٰ علیہ التحیّۃ والثنا کی آمد نے انسان کو حقیقی کامیابی و کامرانی اور فلاح وبہبود کا راستہ دکھایا، غاروں کی تاریکیوں کو روشن کرنے والی ہستی نے دنیا اور دنیا کے تمام انسانوں کے دلوں تک کو تابندہ ودرخشندہ فرما دیا۔ آپ ﷺ نے ایسا جامع نظامِ حیات، مکمل ضابطۂ زندگی اور بے داغ فلسفۂ عمل پیش فرمایا جس کی مثال ممکن ہی نہیں۔ آپ نے نہ صرف بُت کدوں کو توڑا بلکہ فرسودہ رسومات اور بیہودہ نظریات کی بھی بیخ کنی کی۔ فرقہ پرستی وقبیلہ پروری کے بتوں کو پاش پاش کیا اور ہر طرف پست کو اتنا بلند وبالا کیا کہ کالے اور گورے، امیر اور غریب، آقا وغلام، سردار اور کاشت کار کا امتیاز ختم ہو گیا۔ اخوّت ومحبّت کا ایسا مضبوط اور پختہ رشتہ قائم فرمایا کہ حبش کے بلال، رُوم کے صہیب اور ایران کے سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ایک ہی خاندان کے فرد بن گئے۔ عقائد ہوں یا عمال، معاشیات ہوں یا سیاسیات کسی بھی پہلو سے بے مثل وبے نظیر آقا نے کسی اور در پر دریوزہ گری کا محتاج نہیں رہنے دیا۔ آپ کی تعلیمات و ارشادات کو اللہ تعالیٰ نے صرف صحابہ ہی نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والوں کے لیے اُسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل قرار دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام اور آپ کے افعال کا کس ذریعے سے علم ہو گا کہ وہ اپنی زندگیوں کو اُسوۂ رسول کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ اس کا جواب سوائے اس کے نہیں کہ ہمیں اُسوۂ رسول پر اطلاع مجموعہ ہائے

احادیث سے ممکن ہے۔ احادیثِ مقدسہ کو اگر معتبر نہ مانا جائے تو نہ صرف حضور کی دی ہوئی ہدایات سے ہم محروم ہوں گے، بلکہ قرآنِ کریم کی دی ہوئی ہدایات سے بھی مکمل طور پر مستفید نہ ہو سکیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلا شبہ ہدایت کے لیے قرآن کریم نازل فرمایا، لیکن اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کی تعلیم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سپرد کردی۔ ارشاد فرمایا: وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (سُوْرَۃُ النَّحل، آیت ۴۴) نیز بموجب ارشاد باری تعالیٰ: يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (سُوْرَۃُ الاَعْرَاف، آیت ۱۵۷)

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام قرآنِ کریم کے صرف معلم و مبین اور ''شارح'' نہیں، بلکہ ''شارع'' بھی ہیں۔ آپ نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا، اسی طرح دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا۔ ظاہر ہے ان احکام کا علم صرف احادیث ہی سے ممکن ہے۔ اس اہمیت و ضرورت کے پیشِ نظر حضراتِ صحابۂ کرام نے احادیثِ مقدسہ یعنی حضور علیہ السلام کے اقوال، افعال، احوال، تعلیماتِ مقدسہ اور سیرتِ طیّبہ کی ایک ایک ادا کو نہ صرف عملی طور پر اپنایا اور اپنے سینوں میں محفوظ کیا، بلکہ اس امانت کو آنے والی نسل تک منتقل کیا، حتّٰی کہ عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ سے روایت کا جو سلسلہ شروع ہوا، بغیر کسی انقطاع کے آج تک امّتِ مسلمہ میں جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا۔

پس رحمت و نور کی موسلا دھار بارش ہو۔ راویانِ حدیث کے اس مقدّس گروہ پر جس کے اخلاص وایثار، منّت واحسان، محنت وجفاکشی، جاں نثاری، جگر سوزی، سفر پیہم، حیرت انگیز مہم، لگاتار قربانی اور سعیِ مسلسل کے ذریعے سرورِ کونین ﷺ کے اقوال وافعال، احوال و کوائف اور فرمودات و ارشادات کا مقدس نورانی ذخیرہ احادیث کی ضخیم ترین کتب میں محفوظ ہو کر پندرھویں صدی ہجری میں پیدا ہونے والے افرادِ اُمّت تک پہنچا۔

سطورِ بالا سے حدیث کی دینی ضرورت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ جن پاک طینت مسلمانوں کو اسلام اور قرآن، عزیز ہے اور جو اپنے آپ کو اس اُمّتِ مسلمہ کا ایک فرد سمجھتے ہیں جو سینکڑوں برس سے ان ہی متوارث روایات اور مربوط دینی و فکری تہذیب کے ساتھ زندہ و تابندہ ہے، تو انہیں حدیث پر اعتماد کرنے کے لیے کسی دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ البتّہ جو لوگ از راہِ نفاق حدیث کا انکار کرتے ہیں اور اپنی اس شقاوت کو چھپانے کے لیے قرآن کا نام لیتے ہیں، وہ درحقیقت قرآن کریم کی پیروی سے بچنے کے لیے اور سادہ لوح عوام اور نام نہاد تعلیم یافتہ گروہ کو شکوک و شبہات کے اندھیرے میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

اس فرقۂ ضالہ کی ابتدا دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی۔ خوارج اور معتزلہ نے سب سے پہلے فتنۂ انکارِ حدیث کو ہوا دی، لیکن ہر دور کے علماءِ حق نے اس فتنے کا بڑی جرأت اور پامردی سے مقابلہ جاری رکھا؛ خصوصاً امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام غزالی، محمد بن ابراہیم وزیر علامہ جلال الدّین سیوطی وغیرہ نے بلیغ رد فرمایا۔ بعد میں یہ مسئلہ اصولِ فقہ کی کتابوں کا جُزبن گیا اور یہ کافی عرصے تک دبا رہا اور اسے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تیرھویں صدی میں اس فتنے نے پھر سر اٹھایا، لیکن اب اس کا مرکز عراق کی بجائے ہند کی سرزمین بنی۔ سر سیّد احمد خاں اور مولوی چراغ علی نے ابتدا کی، پھر مولوی عبد اللہ چکڑالوی نے اس کا بیڑا اٹھایا۔ بعد میں مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کی قیادت کی۔ پھر اسلم جیر اج پوری اس فتنہ کو لے کر آگے بڑھے، اُن کے بعد مولوی محمد علی (سمن آباد، لاہور)، ڈاکٹر فضل الرّحمٰن، چوہدری غلام احمد پرویز نے رفتہ رفتہ اسے ضلالت کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے وسیلے سے تمام اہلِ ایمان کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔ آمین!

بلا شبہ مجموعۂ احادیث کی ہر کتاب ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں حضور علیہ السّلام کی حیاتِ طیّبہ کا عکسِ جمیل صاف اور واضح طور پر نظر آتا ہے؛ لیکن جو شہرت اور مقبولیت صحیح بخاری کے حصّے میں آئی، وہ اور کسی کتاب کو حاصل نہ ہوئی، بلکہ حق تو یہ ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ صحیح کتاب رُوئے زمین پر موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کتبِ حدیث میں سے سب سے زیادہ شروح عربی، فارسی اور اُردو میں صحیح بخاری کی لکھی گئی ہیں اور ہنوز لکھی جارہی ہیں اور جب تک اہلِ قلم کے ہاتھوں میں قرطاس، قلم رہے گا، صحیح بخاری کی احادیث کے فوائد اور نکات بیان ہوتے رہیں گے۔ اس سلسلۃ الذہب

کی ایک کڑی "ارشاد الساری" ہے۔ یہ شرح دس جلدوں میں حضرت شہاب الدّین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المتوفّٰی ۹۲۳ھ کی تصنیف ہے۔ شروع میں امام بخاری کی مفصل سوانح عمری بھی ہے۔

"ارشاد السّاری" پر متاخرین علما میں سے نابغۂ روزگار شخصیت امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا عربی میں مختصر مگر لاجواب حاشیہ ہے۔ حاشیہ کی اصل قدر و قیمت اور افادیت کا اندازہ تو قارئین کرام کو اوّل تا آخر مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکے گا، تاہم چند مقامات بطورِ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ قسطلانی نے کہیں کہیں بلا ترجیح و تعیّن مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اُن اقوال میں راجح قول کی نشان دہی کی اور وجہِ ترجیح بھی ذکر کی، مثلاً: حضرت امام بخاری نے زیرِ عنوان اداء الخمس من الایمان ایک حدیث درج فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا؛ آپ نے اس وفد کو مندرجہ ذیل چار چیزوں پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (۱) ایمان (۲) نماز(۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) غنیمت کا ۵/۱ حصّہ۔ اب ذہن میں یہ بات لازمی طور پر کھٹکتی ہے کہ یہ تو پانچ چیزیں ہیں، جبکہ حدیث کے شروع میں چار کا ذکر ہے۔ اس وہم کو رفع کرنے کے لیے شارح نے کئی اقوال ذکر کیے ہیں:

(الف): مقصود صرف پہلی چار چیزیں تھیں، پانچویں چیز بالتبع اس وفد کے مخصوص جغرافیائی حالات کی وجہ سے ذکر فرمادی، کیونکہ وہ ایسی جگہ رہتے تھے جہاں اکثر جہاد کی ضرورت پیش آتی تھی اور غنیمت نصیب ہوتی رہتی تھی، لیکن اس جواب پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ باب کا عنوان بتارہا ہے کہ خُمس کی ادائیگی کا ذکر مُستقلاً ہے نہ کہ بالتبع۔

(ب): حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے قرآنِ پاک میں قرین ہونے کی وجہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک چیز شمار کیا لہٰذا چار چیزیں ہوئیں نہ کہ پانچ۔

(ج): زکوٰۃ اور خمس دونوں چونکہ مالی عبادت ہیں اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے ان کو ایک چیز شمار کیا، لہٰذا کل چار چیزیں ہوئیں۔

(د): حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جن چار چیزوں کا ذکر فرمایا تھا، ان میں پہلی چیز ایمان باللہ ہے اور مومن ہونے کی ظاہری علامت اور نشانی کے طور پر حضور علیہ الصّلوٰۃ السّلام نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور خمس کا ذکر فرمایا، یعنی یہ چیزیں ایمان باللہ ہی کی تفسیر ہیں، لہٰذا راوی نے چار چیزوں میں سے صرف ایک کو ذکر کیا ور باقی تین کو بھول گیا۔ یہ جواب علامہ بیضاوی نے دیا ہے۔

شارح قسطلانی نے ان جوابات میں سے کسی کو بھی راجح قرار نہیں دیا، جبکہ امام احمد رضا نے بیضاوی کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور وجہ ترجیح یہ ذکر فرمائی کہ خمس کی ادائیگی اس صورت میں مستقل ٹھہرتی ہے اور باب کے عنوان کا بھی یہی تقاضا ہے، جبکہ دوسرے جوابات کی باب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

شارح قسطلانی نے بعض جگہ کہا ہے کہ زیرِ نظر حدیث بخاری، بخاری شریف کے فلاں فلاں ابواب میں مذکور ہے، تو امام احمد رضا نے بعض جگہ مزید ابواب کی نشان دہی بھی فرمائی ہے، مثلاً جلدِ اوّل ص ۲۹۰ پر حدیث کے ذکر کے بعد اس کے دیگر ابواب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں یہ حدیث اس باب (ابوال الابل والبانھا) محاربین جہاد، تفسیر، مغازی، دیات میں بھی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان مقامات کے علاوہ طب اور زکوٰۃ میں بھی ہے۔

شارح قسطلانی نے مذکورہ حدیث کے متعلق فرمایا کہ یہ حدیث ابوداؤد، مسلم، نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ امام احمد رضا نے کہا کہ صرف ان تینوں میں ہی نہیں، بلکہ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

شارح قسطلانی نے بعض جگہ کسی دوسرے مصنّف پر اعتماد کرتے ہوئے حوالہ دے دیا؛ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں تھا، تو امام احمد رضا نے شارح پر تنقید کی ہے، مثلاً قسطلانی نے آٹھویں جلد میں ایک جگہ ایک حدیث کے متعلّق علامہ عینی کی متابعت میں کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث نسائی کے باب عشرۃ النساء میں ہے۔ امام احمد رضا نے فرمایا کہ نسائی کے باب عشرۃ النساء میں یہ حدیث تلاش کے باوجود مجھے کہیں نظر نہ آئی۔

امام احمد رضا چونکہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ شارح قسطلانی شافعی ہیں اس لیے مختلف فیہ مسائل میں امام احمد رضا نے شارح کے دلائل سے اختلاف کرتے ہوئے ٹھوس دلائل سے اپنا موقف پیش کیا ہے اور حنفی مسلک کی خوبی کو اجاگر کیا ہے۔

اس حاشیے میں امام احمد رضا کی تحریر میں عشقِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا بھی جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے، مثلاً شارح قسطلانی نے ایک جگہ ابن عربی

کا قول نقل کیا: لیس ذالک الا لمحمد۔ اس قول میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اسم پاک "محمد" کے بعد دُرود وسلام کا ذکر ابن عربی نے نہیں کیا، لیکن شارح قسطلانی نے ابن عربی کا مذکورہ قول نقل کرتے وقت اپنی طرف سے "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کا اضافہ کر دیا، جس پر امام احمد رضا بے ساختہ شارح کو دُعا دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت کرے اور آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کے صدقے میں ہماری بھی حفاظت فرمائے، کیونکہ آپ نے بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ رکھا ہے۔"

ضرورت تھی کہ اس گراں قدر علمی تحفے کو اُردو کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا جائے تاکہ عربی سے ناواقف لوگ بھی امام احمد رضا کے فیوض وبرکاتِ علمیہ اور معارفِ لدنیہ سے مستفید ہو سکیں۔ مقامِ صد شکر ہے بحکم حکیم اہلِ سنّت جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری، ایک نوجوان اور نامور فاضل مولانا سیّد غلام مصطفیٰ عقیل بخاری نے مخدومِ اہلِ سنّت حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس) کی زیرِ نگرانی اس ضرورت کو پورا کیا۔

ترجمے سے کہیں زیادہ محنت طلب کام یہ تھا کہ اختلافِ مطابع کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے زیرِ مطالعہ اور ارشاد السّاری کے موجودہ نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف اور بُعد ہے، مثلاً ایک حاشیہ اعلیٰ حضرت نے اپنے زیرِ مطالعہ نسخے کے ص ۱۸۴ پر لکھا ہے، تو وہ عبارت موجودہ نسخے کے ص ۲۲۷ پر ہے۔ محترم عقیل بخاری صاحب نے پہلے اُن عبارات کو موجودہ نسخوں میں تلاش کیا اور پھر یہ تلاش کیا کہ مطلوبہ حدیث، بخاری شریف کے کس باب اور عنوان کے تحت ہے اور پھر یہ کہ شارح قسطلانی نے اُس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کیا کہا؟ اور کس پس منظر میں کہا اور پھر یہ کہ شرح کی عبارت پر جو کچھ اعلیٰ حضرت نے کہا وہ کیا ہے؟ اور مقصد کیا ہے؟

مثلاً ارشاد الساری کی جلدِ ثانی کی عبارت "أَقَامَهَا الله" پر امام احمد رضا نے کہا: "لحدیثِ مَرْفُوْعٍ رواہ ابوداؤد" اس عبارت کی تلاش اور تحقیق و تشریح کرتے ہوئے جو کچھ محترم عقیل بخاری صاحب نے کہا، ملاحظہ فرمائیں:

"قال الشارح: والاٰنی قوله قد قامت الصّلوٰۃ فیقول اقامها الله وادامها" مسئلہ یہ ہے کہ جب اذان یا اقامت ہو رہی ہو، تو سامع کو بھی وہی الفاظ دہرانے چاہئیں جو کہے جا رہے ہیں سوائے حیّ علیٰ الصّلوٰۃ اور حیّ علیٰ الفَلاح کے کہ ان میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کے الفاظ کہنے چاہئیں۔ تو چونکہ حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید اذان واقامت دونوں کے جواب میں کوئی فرق نہیں ہوگا حالانکہ اقامت میں قد قامت الصّلوٰۃ کے الفاظ، اذان سے زیادہ ہیں، تو شارح نے اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اذان اور اقامت میں مطابقتِ جواب قد قامت الصّلوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ کفایہ میں ہے کہ حدیث کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ اس کو اقامت میں بھی اذان جیسے جوابات دینے چاہئیں سوائے قد قامت الصّلوٰۃ کے کہ اس کے جواب میں أَقَامَهَا اللهُ وَأَدَامَهَا کہنا چاہیے۔

قال الامام احمد رضا لحدیث مرفوع رواہ ابوداؤد

شارح نے کفایہ کے قول کے مأخذ کے طور پر ایک حدیث کا تذکرہ کیا تھا مگر یہ نہ بتایا کہ اس حدیث کو جس کی بنا پر صاحبِ کفایہ نے یہ قول نقل کیا ہے کس محدث نے کونسی کتابِ حدیث میں روایت کیا ہے؟ امام احمد رضا نے کفایہ کا مأخذ بتایا کہ صاحب کنایہ کا یہ قول ابوداؤد میں ایک مرفوع حدیث کی بنا پر ہے۔ قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ کہنے کو ایک نکتہ تھا، لیکن پھیلاؤ کتنا ہے؟ ع

سمٹ جائے تو دلِ عاشق پھیل جائے تو زمانہ

اس عبارت کو ملاحظہ کرنے کے بعد مولانا عقیل صاحب کی محنت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ پہلے مطلوبہ حدیث سے متعلقہ شارح کی عبارت مولانا نے نقل کی اور اس عبارت کی غرض بتائی۔ پھر شارح کی عبارت پر اعلیٰ حضرت کا جو حاشیہ تھا۔ اُس کو نقل کیا اور پھر اعلیٰ حضرت کے حاشیہ کی غرض بتائی اور اہلِ علم جانتے ہیں شارح اور محشی کی اہم ذمّے داری اغراض کو واضح کرنا ہوتا ہے۔ بلاشک وشبہ محترم عقیل صاحب کی اس محنت کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا یقیناً بخل اور ناانصافی ہوگی، لیکن اس کے باوجود بعض مقامات ممکن ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک محلِّ نظر ہوں۔

محترم عقیل بخاری نے زیرِ نظر ترجمہ و تحقیق کے علاوہ تصنیف کے میدان میں جواب تک کام کیا ہے، وہ یہ ہے: (۱) اعلیٰ حضرت کی سیاسی خدمات (مقالہ) (۲) ارتقاءِ فقہِ اسلامی (۳) اعلیٰ حضرت اور اُن کے خلفا کی دینی خدمات (۴) ملک کے قومی اخبارات میں علمی

وفکری قسم کے کثیر مضامین (۵) شاہِ جیلاں بے مثال مبلّغِ اسلام (٦) مُسلمان خواتین کی علمی خدمات

سیّد غلام مصطفٰے عقیل، درّہ حاجی پیر ضلع پونچھ آزاد کشمیر کے مشہور ومعروف گاؤں جبّی سیّداں میں ۲۵/ دسمبر ۱۹۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سادات کے بخاری خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ سلسلۂ نسبت پچیس (۲۵) واسطوں سے معروف ومشہور صوفی بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ساتھ جاملتا ہے۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام سیّد بہادر شاہ ہے۔ موصوف انتہائی صابر، متوکّل اور اپنے خدارسیدہ اسلاف کی زندہ عملی تصویر ہیں۔

سیّد غلام مصطفٰے عقیل صاحب نے جَبّی سیّداں کے مقامی سکول سے تعلیم کا آغاز کیا اور ہر کلاس کے امتحان میں امتیازی پوزیشن حاصل کرتے رہے۔ ۱۹٦۵ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے آپ کا خاندان جبّی سیّداں سے پلندری منتقل ہوگیا، اور آپ مدرسۂ تعلیم القرآن پلندری میں داخل ہوگئے۔ قرآنِ مجید کے کچھ ابتدائی پارے اور درسِ نظامی کی ابتدائی کتب وہاں پڑھیں، وہاں بھی تین سال تک امتحان میں امتیازی پوزیشن حاصل کرتے رہے، جس کی وجہ سے صدرِ آزاد کشمیر نے نقد اور کتابوں کی صورت میں انعام دیا اور مدرسہ سے بھی پانچ روپے ماہانہ وظیفہ مقرّر ہوا۔ بعد میں تعلیم القرآن سے چلے گئے اور مدرسہ تعلیم الاسلام حنفیہ عباس پور میں داخل ہوگئے اور یہاں جامی وغیرہ تک کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۷۰ء میں لاہور آگئے پہلے جامعہ رسولیہ شیرازیہ میں داخلہ لیا اور ایک سال بعد ۱۹۷۲ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں داخل ہوگئے اور بشمول دورۂ حدیث تمام بقیہ کتب یہاں پڑھیں۔ ۱۹۷۵ء میں تنظیم المدارس کے زیرِ اہتمام ہونے والے امتحانِ حدیث اور مقالہ نویسی کے مقابلے میں شریک ہوئے۔ امتحانِ حدیث میں دوسری پوزیشن حاصل کی، جبکہ مقالہ نویسی میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور پھر جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں ہی مدرس مقرر ہوئے۔ دینی کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی جاری رکھی۔ ۱۹۷۷ء میں میٹرک، ۱۹۸۱ء میں ایف اے کیا اور اب بی اے میں بھی کامیابی حاصل کرچکے ہیں۔

شاہ صاحب کو بچپن ہی سے اخبار بینی کا بے حد شوق تھا، جس نے سیاسی مزاج بنادیا، چنانچہ زمانۂ طالبِ علمی ہی میں عملی سیاست میں حصّہ لینا شروع کردیا۔ آپ اتحاد الطلبہ مدارسِ عربیہ کے سیکرٹری رہے۔ اسی تنظیم کی کوششوں سے دینی مدارس کے طلبہ کے لیے کرائے میں سہولت کا مطالبہ تسلیم کیا گیا۔ جمعیّت العلما جموّں کشمیر ضلع لاہور کے سیکرٹری رہے، جب کہ جمعیت العلماءِ پاکستان سے بھی وابستگی رہی۔ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ضمانت پر رہا ہوئے اور عرصۂ دراز تک مختلف مقدمات میں آپ کو حکومتِ وقت کی طرف سے پریشان کرنے کی مذموم کوششیں جاری رہیں۔ ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مصطفٰے میں بھرپور حصّہ لیا۔ سنّی کانفرنس، ملتان اور میلادِ مصطفٰے کانفرنس، مصطفٰے آباد (رائے ونڈ) میں بھی شمولیت کی۔

آپ نے جن جیّد اساتذۂ فن سے کسبِ فیض کیا، ان میں سے چند ایک کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: (۱) مخدومِ اہلِ سنّت حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس اہلِ سنّت پاکستان)۔ (۲) حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، صدر مدرس و استاذالحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ (۳) حضرت علامہ مولانا محمد گل احمد عتیقی، صدر مدرس ومفتی دارالعلوم جامعہ نعمانیہ، لاہور۔ (۴) حضرت علامہ مولانا عطا محمد متین فاضل وسابق مدرس جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال۔ (۵) حضرت علامہ مولانا محمد یونس مدرّس جامعہ تعلیم الاسلام حنفیہ عباس پور، آزاد کشمیر۔

سیّد غلام مصطفٰی عقیل بخاری شعروشاعری سے بھی خاصا شغف رکھتے ہیں، بالخصوص غزل اور نعت گوئی سے۔ مولانا سیّد غلام مصطفٰے بخاری، ایک ذہین خطیب، محنتی مدرّس، سنجیدہ مصنّف اور بارگاہِ مصطفٰے علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے باادب شاعر ونعت گو ہیں۔ ان تمام خوبیوں کا یکجا جمع ہونا کمالِ سعادت ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اصل کتاب (بخاری شریف)، ارشاد السّاری اور حاشیہ کی طرح سیّد غلام مصطفٰے بخاری کی اس کاوش (ترجمہ وتحقیق) کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور مولّف، شارح، محشی، مترجم، ناشر اور راقم کی مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ نبیّہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

دُور و نزدیک سے

خطوط، ای میل، پیغامات، خبریں اور کُتبِ نو

ابوالحسن واحد رضوی (آستانہ عالیہ فیض آباد شریف، اٹک، پاکستان)

حضرت صاحبزادہ وجاہت رسول قادری صاحب زید مجدکم

سلام مسنون ومزاج گرامی!

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید صحت کاملہ و عاجلہ سے نوازے۔ جیسا کے موبائل پر بھی آپ سے رابطہ رہتا ہے اور خاکسار آپ کو اپنے علمی کام سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ اگرچہ خاکسار پچھلے ایک عرصے سے دیگر علمی کاموں میں مصروف ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ والد گرامی حضور ریاض الملت قدس سرہ العزیز کے مسودات کی تصحیح و تحشیہ اور ان کی اشاعت ہے۔ پھر مجلہ ریاض العلم کی ادارت واشاعت ساتھ ہی مجلہ سلسبیل [جس کے چار شمارے شائع ہو چکے ہیں] کی ادارت و اشاعت کا کام بھی تن تنہا سرانجام دیتا ہوں، اس کے باوجود پچھلے چند سالوں میں اللہ تعالیٰ نے رضویات کے حوالے سے بھی مجھے توفیق مرحمت فرمائی اور کئی صفحات معرض وجود میں آگئے۔ چونکہ میرا یہ کام آپ کے علم نہیں ہے اس لئے ایک عریضہ کی صورت میں تفصیل ارسال کر رہا ہوں! ان مقالات و کتب میں سے جو مقالہ یا کتاب ادارہ شائع کرنا چاہے گا خاکسار اس کی کمپوزنگ کے بعد ٹریسنگ آپ کو ارسال کر دے گا۔ صرف ابتدائی صفحات کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی۔ ایسے میں نہایت آسانی سے کتاب طباعت کے مراحل سے گزر کر شائع ہو سکے گی۔

یہاں اس بات کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتب ورسائل اور مقالات و مضامین کی جدید انداز میں کمپوزنگ کے لئے مجھے ان پیج ۳ پروگرام کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کی شفقت سے مجھے یہ سافٹویئر دستیاب ہو جائے تو حواشی کی کمپوزنگ میں جو وقت ہوتی ہے اور کئی گھنٹے خرچ ہوتے ہیں اس سے نجات میسر آئے گی اور ساتھ ہی کمپوزنگ کی انفرادیت بھی کتاب کے مؤثر ہونے میں اپنا کردار ادا کرے گی۔ آپ کے حکم پر مکرمی عبید الرحمن صاحب کی خدمت عالیہ میں ان پیج ۳ کی تفصیل عرض کر دی گئی تھی۔

رضویات کے حوالے سے خاکسار کے کام کی تفصیل درج ذیل ہے:

⊙ مطبوعہ کتب و رسائل و مقالات

(۱) ''دریا بہادیئے ہیں'' [مضامین نعت رضا کا جائزہ] مطبوعہ ادارہ ریاض العلم، اٹک

(۲) حدائق تضمین / تضمین سلام رضا [مکمل] مطبوعہ ادارہ ریاض العلم، اٹک

(۳) سلام رضا [مقدمہ، اِعراب۔ اشعار کے نمبر اور عنوانات کے ساتھ] مطبوعہ ادارہ ریاض العلم، اٹک

(۴) عربی ترجمہ رسالہ ''جلی الصوت'' [آپ کی نگرانی میں ادارہ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے]۔

(۵) عربی ترجمہ رسالہ ''المنبہ المنیۃ'' مطبوعہ ادارہ ریاض العلم، اٹک

(۶) مقالہ: امام احمد رضا اور آداب نعت گوئی۔ مطبوعہ ادارہ ریاض العلم، اٹک

(۷) مقالہ: امام احمد رضا کی سراپا نگاری، نعت رنگ، کراچی

(۸) مقالہ: سلام رضا کا تضمین نگار اختر الحامدی، ماہنامہ نعت، لاہور

(۹) مقالہ: کنزالایمان پر اعتراضات کا علمی جائزہ قسط اوّل، معارف رضا، کراچی

(۱۰) اشاعت رسالہ: احادیث شفاعت، مطبوعہ ادارہ ریاض العلم

(۱۱) اشاعت رسالہ: الجراز الدیانی، مطبوعہ ادارہ ریاض العلم، اٹک

(۱۲) مضامین نعت رضا [اجمالی جائزہ]، ماہنامہ جہان رضا، لاہور

⊙ غیر مطبوعہ کتب و رسائل و مقالات

(۱۳) قدیم عکسی حدائق بخشش اوّل و دوم۔ تعارف، تصحیح مع تفصیلی مقدمہ

(۱۴) بساتین الغفران۔ تصحیح متن مع اردو ترجمہ مع مقدمہ

(۱۵) تقاریظ امام احمد رضا۔۔۔ ترجمہ و تصحیح

(۱۶) باقیات رضا [عربی، فارسی، اردو کلام کی ترتیب و تدوین]

(۱۷) فن شاعری اور حسان الھند کا تنقیدی جائزہ

(۱۸) کنزالایمان پر اعتراضات کا علمی جائزہ [پروفیسر ابو عبید دہلوی کے اعتراضات کا علمی جواب]

(۱۹) فتاویٰ رضویہ میں ادبی، شعری اور عروضی مباحث
(۲۰) فتاویٰ رضویہ اور رسم المفتی
(۲۱) اردو ترجمہ مثنوی رڈامثالیہ [متن، ترجمہ اور مقدمہ]
[مسودہ ۲۰۰۵ء میں مکرمی پروفیسر منیر الحق کعبی کو تقدیم لکھنے کے لئے پیش کیا گیا، ہنوز انھی کے پاس ہے۔ گزشتہ سات سالوں میں انھوں نے کئی بار وعدہ کیا مگر ابھی تک وعدہ پورا نہیں فرما سکے]۔
(۲۲) فرہنگ کنزالایمان از حضور ریاض الملتؒ [ترتیب و تدوین]
(۲۳) رباعیات رضا—توضیحی مطالعہ [صرف حدائق بخشش اوّل و دوم کی رباعیات کا توضیحی مطالعہ]
(۲۴) منظومہ "ذریعۂ قادریہ" ___ تعارفی جائزہ

⊙ زیرترتیب و تدوین
(۲۵) عربی حواشی فواتح الرحموت ___ تعارفی جائزہ
(۲۶) سلام رضا ___ توضیحی مطالعہ
(۲۷) کلام رضا، توضیحی مطالعہ [حدائق بخش سے منتخب کلام کی توضیح]

⊙ مستقبل میں زیرغور
(۲۸) محاسن حدائق بخشش
(۲۹) فتاویٰ رضویہ میں کلامی مباحث [فنی تدوین]
(۳۰) فتاویٰ رضویہ اور علوم حدیث [فنی تدوین]
(۳۱تا۳۵) "احکام شریعت"، "فتاویٰ افریقہ"، "عرفان شریعت"، "الملفوظ" [مکمل] اور "الدولۃ المکیۃ" کی تحقیق
(۳۶) تفسیر امام احمد رضا [ترتیب و تدوین]
تمام احباب کی خدمت میں سلام شوق۔ والسلام (بذریعہ ای میل)

ندیم ہاشمی (ایڈمنسٹریٹر، ناصر – عارف حسین میموریل لائبریری، کراچی)
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
امیدِ واثق ہے کہ آپ کا مزاج مع الخیر ہو گا۔ یہ امر باعثِ اطمینان ہے کہ آپ کا ادارہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت افکار و اذکار، تعلیمات، فرمودات پر تحقیقی کا کام کر رہا ہے۔ ہماری لائبریری ناصر عارف حسین لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر بھی اپنے ممبران کو ریسرچ کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم لائبریری میں ایسی کتب کا اضافہ کرتے رہتے ہیں جو محققین کو ان کے کاموں میں معاونت فراہم کرے اس کے علاوہ ہماری لائبریری مفت ممبر شپ اور دیگر سہولیات بھی فراہم کرتی ہے۔ اس حوالے سے ہماری خواہش ہے کہ آپ ہماری لائبریری کو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر مبنی عطیہ کتب عنایت فرمائیں تا کہ ہماری لائبریری میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر بھی تحقیقی مواد فراہم ہو سکے اور ممبرانِ لائبریری و ریسرچ اسکالر اس سے مستفیض ہوں۔
ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ ہماری لائبریری کا دورہ ضرور کریں۔ یہ ہمارے لیے یقیناً ایک اعزاز ہو گا۔ ہم آپ کی آمد کے منتظر رہیں گے۔

توفیق جوناگڑھی (کراچی، پاکستان)
السلام علیکم ورحمۃ اللہ
جناب مولانا وجاہت رسول قادری صاحب! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی صحت عطا فرمائے جس کے بعد کوئی بیماری نہ ہو۔ آمین آمین آمین! الحمد للہ عقیدۂ ختم نبوت کی جلد ۱ تا ۶ دوبارہ شایع ہو گئی ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ ماہنامہ معارفِ رضا میں اہلِ علم کے لیے مندرجہ ذیل خبر شائع فرمادیں:
"عقیدۂ ختم نبوت کی ۱ سے ۶ جلدیں طبع دوم (مرتب مفتی محمد امین قادری) مجلد آفسٹ پیپر اعلیٰ امپورٹڈ نیوز پیپر پر ۲۰ رمضان ۱۴۳۳ھ کو بازار میں دستیاب ہوں گی۔ یہ چھ جلدیں تین ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں، جن میں حضرت علامہ غلام دستگیر قصوری، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی، تاجدارِ گولڑہ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا انوار اللہ فاروقی (حیدرآباد، دکن)، مبلغ اعظم شاہ علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدّیقی مدنی وغیرہم علیہم الرحمۃ کی تصانیف شامل ہیں۔" رابطے کے لیے:
(۱) مکتبہ برکات المدینہ جامع مسجد بہار شریعت بہادر آباد کراچی۔
(۲) ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل۔ 25 جاپان مینشن، ریگل صدر، کراچی۔ +92-21-32725150

ماہنامہ معارفِ رضا کے گزشتہ شماروں کی دستیابی
گزشتہ ۱۲ سالوں میں شائع ہونے والے ماہنامہ معارف رضا کے انفرادی شمارے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ مع عام ڈاک خرچ ۳۰ روپے فی شمارہ منی آرڈر کریں۔ دستیاب شماروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:
۲۰۰۰ء شمارہ جنوری، فروری، مارچ، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر

۲۰۰۱ء شمارہ جنوری، اپریل، جون، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۲ء شمارہ جنوری، جون اور دسمبر
۲۰۰۳ء شمارہ نومبر اور دسمبر
۲۰۰۴ء شمارہ فروری، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۵ء جنوری، فروری، (مارچ، اپریل، مئی مشمولہ سالنامہ)، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۶ء جون، جولائی، اگست اور ستمبر
۲۰۰۷ء شمارہ مئی، اگست اور دسمبر؛ ۲۰۰۸ء شمارہ جون
۲۰۰۹ء شمارہ جولائی، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۰ء شمارہ مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۱ء شمارہ فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر۔ (ان ماہانہ شماروں کے علاوہ سالنامہ ۲۰۱۱ء ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کے معیار کے مطابق علیحدہ شایع ہوا ہے)
۲۰۱۲ء جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی اور اگست

ماہنامہ معارف رضا سال ۲۰۱۱ء کی مکمل فائل

سال ۲۰۱۱ء کے تمام ۱۲ شماروں پر مشتمل فائل محدود تعداد میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ غیر مجلد ۵۰۰ روپے، مجلد ۶۰۰ روپے مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔

www.imamahmadraza.net

گزشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، امریکا، سعودی عرب، انگلینڈ، متحدہ عرب امارات، بنگلہ دیش، جرمنی، عمان، قطر، آسٹریلیا، کینیڈا، چین، ماریشس، نائجیریا، ہالینڈ، ایران، کویت، سری لنکا، ناروے، سرینام، بحرین، فرانس، انڈونیشیا، اٹلی، لیگزمبرگ، ملائیشیا، نیپال، یوگینڈا اور جنوبی افریقہ، وغیرہ ممالک کے ۱۲۹ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔

دعوت برائے مقالہ نگاری

سالنامہ معارف رضا ۲۰۱۲ء (اُردو) میں اشاعت کے لیے مقالات ۳۰ر ستمبر ۲۰۱۲ء تک ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر میں بذریعہ ڈاک یا کوریئر جمع کرائے جاسکتے ہیں۔ مقالات بذریعہ ای میل imamahmadraza@gmail.com پر بھی بھیج سکتے ہیں۔ مقالہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے معیار کے مطابق ہو۔ مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات معارف رضا کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

دعوت برائے رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا یونیورسٹی، کالجز اور مدارس کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبا و طالبات کو امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا کے مختلف عنوانات پر تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔ موضوع کے انتخاب سے مقالے کی تکمیل تک ادارے کی طرف سے راہ نمائی اور مواد کی نشاندہی کی سہولت موجود ہے۔ خواہش مند افراد ادارۂ تحقیقات کے دفتر سے بذریعہ فون، ای میل یا ویب سائٹ رابطہ کریں۔

رضویات کے حوالے سے جرائد و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات

(۱) ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی، ''اعلیٰ حضرت کا سفر نامۂ مکہ مکرمہ''، ماہنامہ جہانِ رضا، مئی۔ جون ۲۰۱۲ء، ص ۲۱۰ تا ۴۸
(۲) پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ''قطبِ مدینہ کی مجالس کی یادیں''، ماہنامہ جہانِ رضا، مئی۔ جون ۲۰۱۲ء، ص ۴۹ تا ۵۷
(۳) سید محمد عبد اللہ قادری، '' ''خانوادۂ اعلیٰ حضرت کا گلِ سر سبد مفتی تقدس علی خاں''، ماہنامہ جہانِ رضا، مئی۔ جون ۲۰۱۲ء، ص ۵۸ تا ۶۲
(۴) علامہ عبد الحکیم شرف قادری، ''علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری''، ماہنامہ مصلح الدین، کراچی، جون ۲۰۱۲ء، ص ۲۴ تا ۳۱
(۵) مولانا پیر محمد چشتی، ''مدارج العرفان فی مناھج کنز الایمان''، (قسط نمبر ۴۲)، ماہنامہ آوازِ حق، پشاور، جون ۲۰۱۲ء، ص ۲۸ تا ۳۷
(۶) مولانا پیر محمد چشتی، ''مدارج العرفان فی مناھج کنز الایمان''، قسط نمبر ۴۳، ماہنامہ آوازِ حق، پشاور، شمارہ جولائی ۲۰۱۲ء، ص ۲۳ تا ۳۷
(۷) علامہ پیر سید ریاض الحسن شاہ، ''تراجمِ قرآن میں کی جانے والی غلطیوں میں سے چند کی نشاندہی''، قسط نمبر ۵، ماہنامہ شیخ الحدیث، چکوال، رجب ۱۴۳۳ھ؛ قسط نمبر ۶، شعبان ۱۴۳۳ھ، صفحہ ۲۳ تا ۳۱
(۸) محمد فیاض اویسی، ''نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی پر اعتراضات کے جوابات''، ماہنامہ فیضِ عالم، بہاولپور، جولائی ۲۰۱۲ء، ص ۸ تا ۱۳
(۹) اسماعیل احمد بدایونی، ''امام احمد رضا فکر و دانش کی عدالت میں''، ماہنامہ رشد الایمان، سمندری، جون، جولائی ۲۰۱۲، ص ۶۰ تا ۶۲ (قسط وار)
(۱۰) علامہ پیر سید محمد فاروق القادری، ''فاضلِ بریلوی اور امورِ بدعت''، ماہنامہ آوازِ حق، پشاور، جولائی ۲۰۱۲ء، قسط نمبر ۳، ص ۴ تا ۵

(۱۱) امام احمد رضا (افادات)، "نعت اور آدابِ نعت بہ زبانِ رضا،" سہ ماہی رضابک ریویو، پٹنہ، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۷

(۱۲) ادارہ القلم فاؤنڈیشن، "(فارسی) کلامِ رضا: ترجمہ و توضیحات،" قسط اوّل، سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۱۶ تا ۱۹

(۱۳) پروفیسر فاروق احمد صدیقی، "نعت رنگ کراچی کا اعلیٰ حضرت نمبر: ایک مطالعہ،" رضابک ریویو، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۲۰ تا ۲۵

(۱۴) انوار محمد عظیم آبادی، "جہانِ مفتیٔ اعظم: ایک تجزیاتی مطالعہ،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۲۶ تا ۳۰

(۱۵) رحمت اللہ صدیقی، "معارفِ رضا سالنامہ ۲۰۰۶ء: ایک مطالعہ،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۳۱ تا ۳۳

(۱۶) ڈاکٹر امجد رضا امجد، "کلیاتِ مکاتیب رضا: ایک تنقیدی جائزہ،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۳۴ تا ۴۰

(۱۷) پیکر رضوی، "امام احمد رضا کے تصور تعلیم پر دو کتابوں کا تجزیہ،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۴۱ تا ۴۳

(۱۸) ڈاکٹر امجد رضا امجد، "تصانیف امام احمد رضا: ایک تجزیاتی مطالعہ،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۴۴ تا ۴۸

(۱۹) ڈاکٹر امجد رضا امجد، "امام احمد رضا اور عشقِ مصطفیٰ: ایک جائزہ،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۵۰ تا ۵۳

(۲۰) مفتی عبدالواجد (جوابات)، "رضویاتی ادب کے فروغ کے لیے محققین رضا کی بارگاہ میں مشاورتی سوالنامہ،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، اپریل تا جون ۲۰۰۸، ص ۶۲ تا ۷۰

(۲۱) ادارہ، "رضویات کے ایک محقق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری: حیات و کارنامے،" سہ ماہی رضابک ریویو، ج ۱، ش ۱، ۲۰۰۸، ص ۷۱ تا ۷۳

لائبریری ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا میں موصول ہونے والے جرائد

اہلِ سنّت کی آواز، خصوصی شمارہ اکابرِ مارہرہ، انڈیا، (حصّۂ اوّل، ذی قعد ۱۴۳۰ھ / نومبر ۲۰۰۹ء؛ حصّۂ دوم، ذی قعد ۱۴۳۱ھ / اکتوبر ۲۰۱۰ء؛ حصّۂ سوم، ذی قعد ۱۴۳۲ھ / اکتوبر ۲۰۱۱ء) ماہنامہ، جہانِ رضا، لاہور (جولائی ۲۰۱۲ء)، رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، (اگست ۲۰۱۲ء)، فیضِ عالم، بہاولپور (اگست ۲۰۱۲ء)، عرفات، لاہور (جولائی ۲۰۱۲ء)، اہلِ سنّت، گجرات (جولائی ۲۰۱۲ء، نیز اگست ۲۰۱۲ء)، مصلح الدین، کراچی (شوّال المکرّم ۱۴۳۳ھ)، پیغام اہلِ سنّت، فیصل آباد (رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ)، السعید، ملتان (جولائی، اگست ۲۰۱۲ء)، خبرنامہ ہمدرد، کراچی (جولائی ۲۰۱۲ء، نیز اگست ۲۰۱۲ء)، الہام، بہاولپور (اگست ۲۰۱۲ء)، مصطفائی نیوز، کراچی (جولائی ۲۰۱۲ء)، کنزالایمان، دہلی (اگست ۲۰۱۲ء، نیز ستمبر ۲۰۱۲ء)، آوازِ حق، پشاور (اگست ۲۰۱۲ء)، کاروانِ قمر، کراچی (اگست ۲۰۱۲ء)، الملنگیہ، اوکاڑہ (اگست ۲۰۱۲ء)، ضیائے حرم، اسلام آباد (اگست ۲۰۱۲ء)، نورالحبیب، بصیر پور، اوکاڑہ (اگست، ستمبر ۲۰۱۲ء)، جام نور، دہلی (جون ۲۰۱۲ء، نیز جولائی ۲۰۱۲ء)، سوئے حجاز، لاہور، (جولائی ۲۰۱۲ء، نیز اگست، ستمبر ۲۰۱۲ء)، آوازِ اہلِ سنّت، گجرات (دسمبر ۲۰۱۲ء)، المقصود، کراچی (جولائی ۲۰۱۲ء)، عقیدت، حیدرآباد (جون ۲۰۱۲ء)، الاشرف، کراچی (جولائی ۲۰۱۲ء، نیز ستمبر ۲۰۱۲ء)، کاغذی پیرہن، لاہور (مئی، جون ۲۰۱۲ء)، سہ ماہی العلم، کراچی (جنوری تا مارچ / اپریل تا جون ۲۰۱۲ء)، سہ ماہی تاترہ (پشتو)، پشاور (اپریل تا جون ۲۰۱۲ء)، محدّث، لاہور (جولائی ۲۰۱۲ء)، الاحیاء، لاہور (جولائی ۲۰۱۲ء نیز اگست ۲۰۱۲ء)، The Minaret, (Karachi, August 2012)۔

لائبریری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا میں موصول ہونے والی کتبِ نو

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف / مرتب / مترجم	صفحات	ناشر
۱	بنیادی مقدمہ عید میلاد النبی کا حصّہ اوّل	شیخ الحدیث محمد نصر اللہ خاں افغانی	۳۷۴	سروات پرنٹرز
۲	بنگالی ترجمہ، مرآۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ تا ۳	مترجم: مولانا عبد المنّان	۔	بنگلا دیش
۳	وسائل بخشش	مولانا حسن رضا خاں قادری بریلوی	۱۲۴	مکتبۂ اعلیٰ حضرت، لاہور
۴	تزکِ مرتضوی	مولانا حسن رضا خاں قادری بریلوی	۴۸	دارالکتاب، لاہور
۵	مجدّد الأُمّۃ الشاہ احمد رضا خاں (عربی)	علامہ سید شجاعت علی قادری	۲۱۸	مرکزی انجمن اشاعۃ الاسلام پاکستان

منظومات

محبی جناب سید عبداللہ قادری گرامی قدر کے نام

جنابِ سیّد نے کیا ہی اچھی لکھی ہے اک بے نوا کی مدحت
رضؔا کے صدقے میں آج اس بے ہنر نے پائی ہے کیسی شہرت

خدا کے بندے پہ شکر واجب خدا کا اور بندۂ خدا کا
الحمد للہ، کرم تمہارا، بڑھائی اک بے بصر کی عزّت

خدا کا فضل و کرم ہے تم پر، تمہارے گھر اور اَبّ و جدّ پر
گھرانہ علم و فضل کا مرکز، یہاں سے جاری ہے دیں کی خدمت

جنابِ نورِ محمد القادری تھے علم وادب کے پیکر
رضؔا و اقبؔال کے تھے عاشق، ہو ان کے مرقد پہ رب کی رحمت

جہل کی ظلمت میں وہ تھے منارۂ علم و دین وحکمت
مزاج فقر و غنا کا پرتو ، عمل تھا ان کا ولی کی سیرت

جنابِ سیّد دعا یہ کیجے، کہ وقتِ رخصت رہے سلامت
رضؔا کی نسبت، نبی سے الفت، ہمارے دل میں خدا کی عظمت

معاملہ ہے نظر کا، دل کا کہ بھاگئے ان کو شعر تاباؔں
یہ ان کا حسنِ نظر ہے جس نے بڑھائی میری غزل کی وقعت

نوٹ: محترم سید عبداللہ قادری زید مجدہٗ نے فقیر کی شاعری پر ایک تاثراتی مضمون تحریر فرمایا جو مئی ۲۰۱۲ء کے معارفِ رضا میں شائع ہوا۔ ان سے اظہارِ امتنان وتشکر کے لیے احقر نے یہ نظم لکھی۔ وجاہت

راقم: سید وجاہت رسول تاباؔں قادری
کراچی، ۳۱؍ مئی ۲۰۱۲ء

بنام آں سلیم خوش رقمے

گلشنِ فکرِ رضا کی آبیاری واہ واہ
کیا ہی ذوق افزا نگارش ہے تمہاری واہ واہ

ہے معارف کا خزانہ ہر سطر تحریر کی
ہر سخنور کی زباں پر ہے تمہاری واہ واہ

عارف وصاحبِ نظر سب داد دیتے ہیں تمہیں
کیا ہی تصویر اعلیٰ حضرت کی سنواری واہ واہ

گلشنِ احمد رضا سے خوشہ چینی دیکھیے
کس سلیقے سے سجائی پیاری کیاری واہ واہ

خوب کھینچا تم نے منظر، منظرِ اسلام کا
ندیاں علمِ رضا کی یاں ہیں جاری واہ واہ

تم نے یہ تحقیق سے، تحریر سے ثابت کیا
ہے رضؔا کا قولِ فیصل سب پہ بھاری واہ واہ

اعلیٰ حضرت کا مشن ہے دعوتِ علم و عمل
تم نے یہ تحقیق سے کی راہ داری واہ واہ

حضرتِ مسعودِ ملّت داعیِ فکرِ رضا
ان کا ہے طرزِ نگاری تم سے جاری واہ واہ

سَلّمَكَ اللهُ اَسْلَمْ اے سلیمِ خوش رقم
دھوم ہے شہر رضؔا میں کیا تمہاری واہ واہ

خُلد میں پہنچا جو تاباؔں غیب سے آئی صدا
عاشقِ صادق رضؔا کا ہے بھکاری واہ واہ

نوٹ: عزیزی الکریم ڈاکٹر سلیم اللہ جندران زید علمہٗ کے ''معارفِ رضا سالنامہ ۲۰۱۱ء'' پر ایک جامع تبصرہ تحریر کرنے اور رضویات بالخصوص اعلیٰ حضرت کے تعلیمی افکار و نظریات پر معیاری تحقیقی نگارشات پیش کرنے پر منظوم خراجِ تحسین۔ **وجاہت**

راقم: سید وجاہت رسول تاباؔں قادری
کراچی، ۱۷؍ جون ۲۰۱۲ء /
۲۶؍ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ